جلد ۱۹ نومبر و دسمبر ۲۰۱۵ء شمارہ ۱۲-۱۱

فہرست مضامین

مُدیرِ اعلیٰ : ملک ممتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت : جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

عزاداری امام حسین علیہ السلام اور ہماری ذمہ داریاں

نواسۂ رسولؐ، جگر گوشۂ بتولؑ، فرزند علی مرتضیٰؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد چودہ سو سال سے ہر قوم وملت اپنے اپنے خیالات ونظریات کے مطابق منارہی ہے۔ کیونکہ آپؑ کی ذات کسی ایک قوم یا مذہب کی محسن نہیں ہے بلکہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ محسن انسانیت ہیں۔ احادیث نبویؐ اور فرامین ائمہ معصومین علیہم السلام کی رو سے آپؑ کی یاد منانا اور آپؑ کی شہادت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں رہنا اجر وثواب کا باعث ہے۔ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے موقع پر جبریل امینؑ نے آپؑ کے نانا جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واقعہ کربلا کی خبر دی تو آپؐ نے گریہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گریہ کرتے ہوئے آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا تو سوال کیا: بابا جان! آپ کیوں گریہ فرمارہے ہیں؟ تو آپؐ نے اپنی بیٹیؑ کو آمد جبریلؑ سے آگاہ فرمایا، اور واقعہ ہائلہ کربلا کی خبر سنائی۔ تو بی بیؑ بھی رونے لگیں۔ مجلس عزا کا بھی یہی تصور ہے کہ ایک شخص بیان کرتا ہے تو دوسرے سن رہے ہوتے ہیں اور سب مل کر گریہ کرتے ہیں۔ گویا رونا اور رلانا غم حسینؑ میں سنت نبویؐ ہے...... ہمارے عزادارانِ حسینؑ نے مقاصد شہادتِ عظمیٰ کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنا کہ دینا چاہیے تھی۔ صرف رونا اور رلانا ثواب تو ہے مگر شہادت امام حسینؑ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا ہی اصل مقصد عزاداری ہے...... عزاداری کے وہی مقاصد ہیں جو قیام امام حسین علیہ السلام کے مقاصد تھے۔ لہٰذا یادِ حسینؑ منانے والے تمام طبقات کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ واجبات پر عمل کرنا اور محرمات سے اجتناب کرنا ہی روحِ عزاداری ہے۔ اس وقت اصلاح عزاداری کی اشد ضرورت ہے۔ تطہیر منبر اور بے جا رسومات کا خاتمہ کرکے ہم ان مقاصد کو حاصل کرسکتے ہیں، جو شہید اعظم کی شہادت کے مقاصد ہیں...... واعظین و ذاکرین قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ کرکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ ادا فرمائیں۔ ...... بانیانِ مجالس اہل علم اور صاحب تقویٰ حضرات کو رونق افروز منبر فرمائیں، ان پڑھ اور فلمی طرز پر قصائد ونوحہ جات سے گریز کیا جائے...... دورانِ جلوس ہائے عزا نماز کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے، تاکہ امام حسین علیہ السلام کی کربلا میں نماز باجماعت کی یاد تازہ ہوجائے۔ خطباء وذاکرین دیگر فرقہ ہائے اسلام کے جذبات کو ہرگز ٹھیس نہ پہنچائیں، اور شر انگیز بیانات سے گریز فرمائیں...... منتظمین اور لائسنس داران اور تمام شرکاء عزاداری حکومتی اہل کاروں اور افسران سے پرزور تعاون جاری رکھیں، تاکہ ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے...... مجالس عزا اور جلوس عزا کی سیکورٹی پر خصوصی توجہ دی جائے، تاکہ دہشت گرد اپنے عزائم میں ناکام ونامراد ہوجائیں۔

اتحاد امت مسلمہ کے لیے بھرپور کردار سرانجام دیا جائے۔ جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقاصد حسینیؑ سمجھنے اور سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرینؑ)

باب العقائد

اسلام کا اصل الاُصول عقیدۂ توحید

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے۔ اس میں تمام عالم انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در ہزار نسل...... رنگ، وطن اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے...... وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک، اس کا مثال اور مثیل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے، مگر وہ سب سے بے نیاز ہے، وہ حاجت روا اور حقیقی مُشکل کشا ہے۔ وہی بیماروں کو شفاء دیتا ہے، اور وہی ہماری دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی بلا شرکت غیرے اس میں مُتصرف ہے۔ تمام جہان کا چلانے والا ہے، اس کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے، وہی پیدا کرتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی کھیتیاں اگاتا ہے، وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطا، بلندی ہو یا پستی، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں وہی چلاتا ہے، بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند، غرض تمام کائنات میں صرف اسی کی حکومت ہے، وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ سمیع بھی ہے، اور بصیر بھی۔ علیم بھی ہے اور خبیر بھی...... وہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے، نہ آخرت میں، واحد و یکتا ہے۔ کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ ہے عقیدۂ توحید کے اجمال کی بقدرِ ضرورت تفصیل، جو خود خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار پیش فرمائی ہے۔ سب انبیاءؑ کی بعثت کی سب سے بڑی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ بنی نوعِ انسان کے سامنے خالق کائنات کی حقیقی توحید اور اس کی معبودیت اور اس کے اِلٰہ ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِيۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ

"اے رسول! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ پس میری ہی عبادت کرو"۔

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے، جس سے ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں ایک ہی نصب

العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں فنا کر کے اپنی خلوت و جلوت میں اپنے واحد و یکتا حاکم اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا، اور ایک اور ایک کا مل کر دو ہونا، بدیہی ہے، کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے، بالکل اسی طرح اس عالم رنگ و بو کے لیے قدیر و خبیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیشہ خواب غفلت میں سونے والوں کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے:

اَ فِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

بھلا اس خدا کے وجود میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے؟

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغوں نے گیت گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
غرض انکار کسی سے بھی نہ بن آیا تیرا

(حالی)

یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے، وہ خدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے۔ ہاں ان کی توحید خالص نہ تھی۔ بلکہ وہ بتوں کو خدا کا شریک مانتے تھے۔

جیسے خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے، ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسے وضاحت سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے کی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

اس سلسلہ میں نہج البلاغہ اور صحیفۂ سجادیہ بطورِ نمونہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔

☆

کربلا کے ایک قاتل کی داستان

ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں: قاسم بن اصبغ بن نباتہ کہتا ہے کہ قبیلہ بنی دارم کے ایک شخص کو میں جانتا تھا، وہ انتہائی خوبصورت جوان تھا، کربلا کے جانکاہ واقعہ کے بعد میں نے اسے دیکھا تو اس کا چہرہ کالا ہو چکا تھا، میں نے اس سے کہا کہ تو بڑا خوبصورت تھا، اچانک تیرا چہرہ کالا کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے کربلا میں حسینؑ کے ساتھیوں میں سے ایک نوخیز جوان کو قتل کیا تھا۔ اس جوان کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے۔ اس دن سے لے کر آج تک رات کو جب سوتا ہوں تو خواب میں وہی جوان آ جاتا ہے اور مجھے گریبان سے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور مجھے دوزخ میں پھینک دیتا ہے۔ میں خوف و دہشت کی وجہ سے چیخیں مارتا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس لعین کے ہاتھوں حضرت عباس علمدار علیہ السلام شہید ہوئے تھے۔...... شیخ صدوق نے بھی کچھ اضافے کے ساتھ قاسم بن اصبغ بن نباتہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ محدث نوری نے دار السلام میں ابوالفرج اصفہانی اور شیخ صدوق کی دونوں روایات نقل کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ وہ مقتول حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام نہیں تھے۔ (محرماتِ اسلام ص ۳۹۵)

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

گزشتہ شمارہ میں اسلام میں نماز کا مقام کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے، لہٰذا اب ہم چاہتے ہیں کہ اس شمارہ میں زکوٰۃ کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ادائیگی کے ثواب اور عدم ادائیگی کے عقاب کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ اہلِ ایمان پر حجّت تمام ہوئے۔ سو واضح ہو کہ:

زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جا بجا زکواۃ اور صدقہ دینے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

① ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیماً واسیراً (دھر)

باوجود اپنی احتیاج کے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

② مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة ماۃ حبة (البقرا ۲۶۱)

"جو لوگ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے ساتھ بالیں نکلیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانہ ہوگا۔

③ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریات)

ان اہل ایمان کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔

④ ومما رزقنا ھم ینفقون (البقرہ)

"متّقیوں کی ایک علامت یہ ہے کہ ہم نے ان کو جو روزی دی ہے اس سے کچھ (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

⑤ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیه

اہل ایمان وہ ہیں جو رات اور دن میں پوشیدہ اور کھلّم کھلا طور پر اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

① حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اللہ سبحانه فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقرا فما جاع فقیر الابما منع غنی واللہ تعالی جلدہ سائلھم عن ذلك

خداوند عالم نے دولتمندوں کی دولت میں فقراء کی روزی فرض قرار دی ہے جب بھی کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے۔ تو مالدار کے حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اور خدا تعالیٰ ضرور ان سے اس کی باز پرس کرے گا۔ (نہج البلاغہ)

② بکثرت روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ لو ان

الناس ادوا زکوۃ اموالھم مابقی فقیر محتاجاً اگر لوگ اپنے مال کی زکواۃ ادا کرتے تو کوئی مسلمان فقیر باقی نہ رہتا۔ (کافی)

نیز یہ بھی وارد ہے۔

③ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وان احب الناس الی اللہ اسخاھم کفاً واسخی الناس من ادی زکوۃ مالہ ولم یبخل بما افترض اللہ لھم من مالہ

خدا کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سخی ہے اور سب سے بڑا سخی وہ ہے جو اپنے مال کی زکواۃ ادا کرنے میں بخل نہ کرے۔ (فقیہہ)

④ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک حج کرنا مجھے ستر غلام راہ خدا میں آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور ایک غریب خاندان کے خورد و نوش کی کفالت کرنا ستر حج ادا کرنے سے مجھے زیادہ مرغوب ہے۔ (کافی)

⑤ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان السخی قریب من اللہ قریب من الجنۃ قریب من الناس والبخیل بعید من اللہ وبعید من الجنۃ وبعید من الناس

(عیون الاخبار)

سخی خدا کے قریب ہے سخی جنّت کے قریب ہے سخی لوگوں کے قریب ہے بخیل خدا سے دور ہے جنّت سے دور ہے اور لوگوں سے بھی دور ہے۔

⑥ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے سخی وہ جو زکواۃ وغیرہ واجبی مالی حقوق ادا کرتا ہے اور بخیل وہ ہے جو زکواۃ وغیرہ واجبی مالی حقوق ادا نہیں کرتا (امالی شیخ طوسیؒ)

تارکِ زکوٰۃ کو عقاب

قرآن و حدیث تارک زکواۃ کی مذمت سے چھلک رہے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔

① والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ماکنزتم لا نفسکم فذوقوا ماکنتم تکنزون (توبہ ۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے رہتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر دے دو جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ اور ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا آج اس کا ذائقہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔

② ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم سیطوقون مابخلوا یوم القیامۃ (آل عمران)

جو لوگ خدا کے دیے ہوئے فضل (مال) میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ یہ ان کیلئے بہت برا ہے جس مال میں انھوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق قیامت کے دن ان کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں۔

① مامن ذی زکوٰۃ مال نخل اوزرع او کرم یمنع زکوٰۃ ماله الاقلده الله تربة ارضه یطوق بها من سبع ارضین الی یوم القیمة

جس شخص پر گندم، کھجور، انگور وغیرہ مال کی زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو خدا تعالیٰ اس مال کی زمین کا ساتوں طبقوں سمیت طوق بنا کر قیامت تک اس کی گردن میں ڈالے گا۔ (کافی)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا آپ نے فرمایا:

یا محمد ما من احد یمنع من زکوٰۃ ماله شیأ الاجعل الله ذلك یوم القیامة ثعبانا من نار مطوقا فی عنقه ینهش من لحمه حتی یفرغ من الحساب

اے محمد جو شخص بھی اپنے مال کی زکواۃ ادا نہیں کرتا خدائے تعالیٰ قیامت کے دن اس مال کو جہنم کا سانپ بنا کر اس کی گردن میں ڈالے گا جو اس کے گوشت کو نوچے گا یہاں تک کہ وہ حساب سے فارغ ہوگا۔ (کافی)

نیز بروایت ابوبصیر انہی جناب (علیہ السلام) سے مروی ہے فرمایا:

من منع قیراطاً من الزکوٰۃ فلیمت ان شاء یهودیا او نصرانیا

جو شخص بمقدار ایک قیراط (بارہ جو کے برابر) زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرجائے اور خواہ نصرانی ہو کر۔ (کافی اور عقاب الاعمال)

☆ انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا:

من منع قیراطاً من الزکوٰۃ فلیس بمومن ولا مسلم (کافی وصافی)

جو شخص بمقدار ایک قیراط کے زکواۃ ادا نہ کرے وہ مومن ہے اور نہ حقیقی مسلمان (ایضاً)

☆ انہی جناب سے منقول ہے فرمایا:

ماضاع مال فی بر ولا ابحر الا بمنع الزکوٰۃ

یعنی خشکی یا تری میں جہاں بھی کسی کا کچھ مال ضائع ہوتا ہے یہ سب نتیجہ ہے زکواۃ ادا نہ کرنے کا۔ (عقاب الاعمال)

خلاصہ کلام یہ کہ زکواۃ کی اہمیت کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ نماز کی قبولیت اس کے ساتھ وابستہ ہے جو شخص زکواۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان الله قرن الزکوٰۃ بالصلوٰۃ قال اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فمن اقام الصلوٰۃ ولم یوت الزکوٰۃ فلم یقم الصلوٰۃ

خدا نے نماز کے ساتھ ملا کر زکواۃ کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے نماز قائم کرو اور زکواۃ دو۔ پس جو شخص (بظاہر) نماز تو قائم کرتا ہے مگر زکواۃ ادا نہیں کرتا۔ تو گویا اس نے نماز بھی قائم نہیں کی (کافی)

دیدہ بینا اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کیلئے زکواۃ کی اہمیت و عظمت ظاہر کرنے کیلئے اتنی مقدار کافی وافی ہے۔ واللہ الموافق۔

باب التفسیر

عدل و انصاف کرنا اور سچی گواہی دینا واجب ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِہِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡہَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۳۵﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾

(سورۃ النساء: ۱۳۵ تا ۱۳۷)

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! مضبوطی کے ساتھ انصاف کے علمبردار ہو جاؤ۔ اور محض اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔ خواہ تمھیں یا اپنے والدین کے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی گواہی دینا پڑے۔ وہ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) چاہے امیر ہو، چاہے فقیر ہو، بہرحال اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ پس اس طرح خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم نے ہیر پھیر کیا، یا (حق سے) منہ موڑا تو بے شک جو کہ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔ (۱۳۵)

اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسولؐ پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ، جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے۔ اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری ہے، اور جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں، اور آخرت کے دن کا انکار کرے، وہ گمراہ ہوا۔ اور اس میں بہت دور نکل گیا۔ (۱۳۶)

جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت فرمائے گا، اور نہ انھیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا۔ (۱۳۷)

تفسیر الآیات

یا ایھا الذین آمنوا......الآیہ

عدل و انصاف کرنا اور سچی گواہی دینا واجب ھے

"قوام" مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ بڑی مضبوطی کے ساتھ عدل و انصاف کے علمبردار بنو۔ اور محض خدا واسطے کے اس طرح گواہ بنو کہ اپنے اور بیگانے میں تفریق نہ کرو۔ اور امیر و فقیر میں تمیز نہ کرو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: مومن کے مومن پر سات حق ہیں۔ اور سب سے زیادہ

لازمی حق یہ ہے کہ وہ حق بات کہے، خواہ خود اس کے یا اس کے والدین کے خلاف ہو۔ الغرض ان کی خاطر حق سے عدول نہ کرے۔ (تفسیر قمی و عیاشی)

غرضیکہ تمھاری گواہی صرف خدا کے لیے ہونی چاہیے۔ اور اس میں کسی کی غلط رو و رعایت نہیں کرنی چاہیے۔ اور نہ ہی اس میں اپنے ذاتی مفاد کا کوئی داخل رہل ہونا چاہیے۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب و نادار، کوئی اجنبی ہو یا قریبی رشتہ دار۔ عموماً یہی وہ امور ہیں جو ایک انسان کو سچی گواہی دینے سے مانع ہوتے ہیں۔ خالق اکبر ایک مُسلمان گواہ کو یہ تاکید فرما رہا ہے کہ عدالت میں کھڑے ہو کر ان تمام جذبات اور احساسات کو دل و دماغ سے نکال دے اور محض خدا واسطے اور اس کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کی خاطر، مظلوم کی دادرسی اور اسے اس کا حق دلوانے کی خاطر سچی گواہی دے۔ کیونکہ تم اہلِ ایمان ہو۔ عدل اسلامی کے علمبردار ہو، اور تم شہداء اللہ (اللہ کے لیے گواہ) ہو۔ اسی بناء پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ سچی گواہی دینا واجب ہے۔ اور گواہی کا چھپانا حرام ہے، اور گناہ کبیرہ ہے۔

ارشادِ قدرت ہے: "وھم بشھاداتھم قائمون" (معارج:۳۱) مومن اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی خوف و ڈر یا طمع و لالچ انھیں ادائے شہادت سے روک نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں: "و من یکتمھا فانہ آثم قلبہ" (......) جو شہادت کو چھپائے گا، اس کا دل گنہگار سمجھا جائے گا۔

ایسا ہی خدائے حکیم نے سورہ انعام میں حکم دیا ہے:

"وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا" (انعام:۱۵۲) جب بولو تو انصاف کرو۔ اگرچہ فریق معاملہ قریبی رشتہ دار ہو، اور اللہ کے عہد و پیمان کا پاس کرو۔

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دین و دیانت ہر چیز پر مقدم ہے۔ لہٰذا جب کبھی شخصی اور دینی مفاد میں تصادم ہو تو ہمارا قومی و ملی فریضہ ہے کہ ہم دین کو ترجیح دیں، اگرچہ اس میں نہ صرف ہمارے مال کا بلکہ جان کا بھی نقصان کیوں نہ ہو، جیسا کہ سرکار سید الشہداء اور خامس آل عبا علیہ أفضل التحیۃ والثناء نے میدانِ کربلا میں اس کی عملی مثال پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ: ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

فلا تتبعوا الھوی ...... الآیہ

سورہ مائدہ اور سوہ حدیث کی بعض آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا کے انبیاء و مرسلین پر کتابیں نازل کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورۃ الحدید:۲۵)

"ہم نے اپنے رسولوں کو آیاتِ بینات دے کر بھیجا، اور ان پر کتاب و میزان اُتاری، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

خداوند عالم سورہ مائدہ میں سورہ النساء جیسا حکم دینے کے بعد کہ (كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ) فرماتا ہے:

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ"

لِلتَّقْوٰی" (مائدہ:۸) "تمھیں کسی قوم سے ذاتی عداوت اس سے انصاف نہ کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔

یہی وجہ ہے فقہاء اسلام بالاتفاق لکھتے ہیں کہ نظام عدل قائم کرنا ہر حکومت کا فرض اولین ہے۔ کیونکہ: "یبقی الملك مع الکفر ولا یبقی مع الظلم" "ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے، مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا" بلکہ ہر مُکلف کا فرض ہے کہ وہ انصاف کرے اور دوسروں کو اس کی رغبت دلائے۔ اسی لیے خداوند عالم نے اس آیت میں مُسلمانوں کو عدل و انصاف کرنے اور سچی گواہی دینے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو چیزیں مانع ہو سکتی تھیں، ان موانع کو دور کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ اگر خواہش کی پیروی کی، یا ہیر پھیر کیا، یا حق سے مُنھ موڑا، تو یاد رکھو! اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ ضرور تمھیں تمھارے اعمال کے مطابق جزا وسزا دے گا۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا کہ: "ہیر پھیر سے گواہی کا تبدیل کرنا، اور مُنھ موڑنے سے گواہی کا چھپانا مراد ہے"۔

بہر حال یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ عدل و انصاف جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور عدالت میں سچّی گواہی جب ہی دی جاسکتی ہے کہ جب آدمی کے دل میں خوفِ خُدا ہو، اور جزا و سزا پر کامل ایمان ہو۔

یا ایھا الذین آمنوا ...... الآیۃ

اس آیت میں خدائے بزرگ و برتر نے ایمان لانے والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ یعنی چہ؟ جب کہ تحصیل حاصل محال ہے، تو پھر اہلِ ایمان کو ایمان لانے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب مُفسّرین اسلام نے یہ دیا ہے کہ خدائے حکیم ایمان کے ان دعویداروں کو حکم دے رہا ہے، جو زبان و کلام سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر قلبی تصدیق اور اپنے عمل و کردار سے اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔ فرماتا ہے: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اپنے دل و دماغ اور عمل و کردار سے بھی ایمان لاؤ۔ (تفسیر صافی)

اور اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بعض لوگ شرک والحاد کو ترک کرتے ہیں اور خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر نبیوں پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے، اور کچھ لوگ بعض انبیاء اور بعض کتابوں پر تو ایمان لاتے ہیں، مگر دوسرے بعض پر نہیں لاتے، یا باقی سب چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، مگر فرشتوں پر اور قیامت پر نہیں ایمان نہیں لاتے۔ تو اس طرح ارشادِ خداوندی کا مطلب یہ ہوگا کہ: اے وہ لوگو! جو شرک والحاد کو ترک کر کے خدا پر ایمان لائے ہو، حقیقی معنوں میں ایمان لاؤ۔ یعنی خدا پر، اس کے (آخری) رسولؐ پر، اس کی کتاب (قرآن مجید) پر، ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ۔ اور جس شخص نے ان ارکانِ ایمان کا انکار کیا، وہ گمراہ ہوا، اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ (تفسیر کاشف)

ان الذین آمنوا ...... الآیہ

اس آیت میں خدائے علیم نے کچھ ایسے لوگوں کا

تذکرہ فرمایا ہے، جو کبھی اسلام لاتے ہیں، اور کبھی کفر اختیار کرتے ہیں۔ یعنی اسلام کی کامیابی کے آثار دیکھتے ہیں، تو اسلام لاتے ہیں، اور پھر تلبیس ابلیس کا شکار ہو کر کافر بن جاتے ہیں، اور اسی کشمکش اور ادھیڑبن میں رہتے ہیں اور بالآخر کفر میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اللہ ہرگز مغفرت نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ ان کا یہ جرمِ شنیع، نا قابلِ معافی ہے۔ بظاہر ان لوگوں سے مراد منافقین کی وہ جماعت ہے جو ہمیشہ ایمان و کفر کی دو عملی میں رہی۔ اور انجام کار بالکل مرتد ہو گئی، جس کا ذکر پہلے ہوا، اور بعد میں بھی جاری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے پہلے زبان سے ایمان کا اظہار کیا، پھر دل سے کفر اختیار کیا، پھر کبھی رسولؐ کے اخلاقِ عالیہ اور معجزات دیکھ کر مائل بایمان ہوئے، پھر شیطان یا شیطان صفت انسانوں نے ورغلایا، اور کافر ہو گئے۔ اور کفر میں سخت ہو گئے۔ تو ایسے لوگ جنھوں نے دین کو ہاتھ کی چھڑی یا جیب کی گھڑی بنایا ہوا ہے، یا ایسا کھلونا بنایا ہوا ہے، جس سے کھیلتے رہتے ہیں۔ اس پر خدا فرماتا ہے: اللہ کبھی ایسے لوگوں کو نہیں بخشے گا، اور نہ ہی انھیں سیدھی راہ تک پہنچائے گا۔ (تفسیر تبیان)

بروایت ابوبصیر امامین علیہما السلام میں سے ایک امامؑ سے اس آیت کی یوں تفسیر مروی ہے۔ فرمایا:

من زعم ان الخمر حرام ثم شربها و من زعم ان الزنا حرام ثم زنیٰ و من زعم ان الزکوٰۃ حق و لم یودھا

جو یہ اعتقاد رکھے کہ شراب حرام ہے، اور پھر خود پیے، اور جو عقیدہ رکھے کہ زنا حرام ہے، پھر خود زنا کرے، اور جو یہ ایمان رکھے کہ زکوٰۃ واجب ہے، پھر خود زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ یعنی جس کے قول وفعل میں تضاد ہو۔

باب الحدیث

خواہشِ نفس کی پیروی کرنے کی مذمت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

① ابو محمد وابشی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، فرما رہے تھے کہ: اپنی خواہشاتِ نفس سے اس طرح ڈرو، جس طرح دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ پھر فرمایا: خواہش نفس کی پیروی اور بے لگام کلام سے بڑھ کر انسان کی کوئی چیز دشمن نہیں ہے۔ (اصول کافی)

② ابو حمزہ ثمالیؒ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اور وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: خداوند عالم (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلالت اور عظمت وبلندئ شان کی قسم کہ جو شخص اپنی خواہش کو میری خواہش پر مقدم رکھے تو میں اس کے معاملہ کو پراگندہ کر دیتا ہوں، اور اس کی دنیا کو اس پر مُشتبہ کر دیتا ہوں۔ اور مجھے قسم ہے اپنی عزت و عظمت کی کہ جو شخص میری خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے تو میں اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کرتا ہوں، اور آسمان و زمین کو اس کی روزی کا کفیل بناتا ہوں۔ اور اس کے پاس دنیا ناک رگڑ کر آتی ہے۔ (اصول کافی)

③ یحییٰ بن عقیل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سب سے خطرناک چیز جس کے بارے میں خطرہ محسوس کرتا ہوں، وہ دو چیزیں ہیں: ① ایک خواہش نفس کی پیروی ② دوسری لمبی امیدیں۔ جہاں تک خواہش نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ چیز آدمی کو حق سے روکتی ہے اور جہاں تک لمبی امیدوں کا تعلق ہے تو یہ آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔ (اصول کافی)

④ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے تھے کہ اپنے نفس کو اور اس کی خواہش کو آزاد نہ چھوڑو، کیونکہ اس میں اس کی ہلاکت ہے۔ اور نفس کی خواہش کو روکنا اس میں اس کی بقا ہے۔ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ

☆

سائل: آصف رمضان راوی روڈ لاہور

سوال: ہماری فقہ میں ظہرین اور مغربین کی نمازیں اکٹھی کیوں پڑھی جاتی ہیں۔ اگر انھیں علیحدہ علیحدہ وقت فضیلت پر پڑھیں تو ان کی فضیلت میں کتنا فرق ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: دو نمازوں کا اکٹھا پڑھنا یقیناً جائز ہے مگر ان کا وقت فضیلت پر علیحدہ علیحدہ پڑھنا یقیناً افضل ہے۔

سوال: ایام عزا کے دوران ایام عزا کے علاوہ کالا لباس پہننے کے احکام بیان فرمائیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: کالا لباس مذموم ہے تین چیزوں کے علاوہ۔ ① عمامہ پگڑی، ② موزے ③ عبا۔ باقی ہر قسم کا کالا لباس مکروہ ہے۔

سوال: کالے جوتے پہننا صرف گناہ ہے یا اس میں کوئی گنجائش ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: کالے جوتے پہننا گناہ نہیں، بلکہ صرف مکروہ ہے۔

سوال: ہم نے آج تک یہ سن رکھا ہے کہ دو نبی زندہ ہیں، حضرت خضرؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔ مگر ایک شخص کہتا ہے کہ چار نبی زندہ ہیں، باقی دو نبی کون سے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: یہ اس شخص سے پوچھیں جس نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

سائل: سید علی ابوذر نقوی ضلع ملتان

سوال: تقلید کس عمر میں واجب ہوتی ہے اور اس کے کیا احکام ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: جس عمر میں تکلیف شرعی لاگو ہوتی ہے اور احکامِ شریعت کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔ یعنی جب آدمی بالغ و عاقل ہوتا ہے، اسی وقت تعمیل احکام کی خاطر اجتہاد یا تقلید یا احتیاط واجب ہوتی ہے۔

سوال: اعتکاف کیا ہے، اس کی شرائط کیا ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: ماہِ مبارک رمضان میں کم از کم تین دن کسی جامع مسجد میں بیٹھا جاتا ہے، دن کو روزہ رکھا جاتا اور رات دوسرے اوقات میں دل کھول کر معبود حقیقی کی عبادت کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ اور کسی شرعی اور عرفی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہوتا۔

سوال: کیا دور نبوی میں کلمہ، اذان میں علی ولی اللہ تھا، اگر نہیں تھا تو ہم کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: کلمہ میں علی ولی اللہ کلمہ ایمانیہ کا جز ہے، جبکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کلمہ اسلامیہ کا جز ہے، چونکہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت بمقام خم غدیر

۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، اس کے بعد جلد ہی پیغمبر اسلام کا انتقال ہوگیا، اس لیے اس کے پڑھنے کی نوبت نہیں آئی بقیہ ائمہ اہلِ بیتؑ سے منقول ہے اور کلمہ ایمانیہ کا جز ہے۔

سوال: بدعت کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب، باسمہ سبحانہ: جو چیزیں دین میں داخل نہ ہوں، انھیں دین میں داخل کرنے یا جو چیزیں دین میں داخل ہوں انھیں دین سے خارج کرنے کا نام بدعت ہے۔ پہلی قسم کو ایجابی اور دوسری کو سلبی بدعت کہا جاتا ہے۔

سوال: غازی کے معنی ہیں میدانِ جنگ سے زندہ لوٹ آنے والا، حضرت عباس شہید ہوئے، انھیں غازی کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: جناب ابوالفضل العباسؑ جب آخری بار میدانِ کارزار میں گئے اور شہید ہوگئے، اس سے پہلے کئی بار میدان میں گئے اور واپس آئے۔ کبھی پانی کے لیے، کبھی دوسرے اصحاب کی مدد کے لیے، جو نرغہ اعداء میں گھرے ہوئے تھے، مظفرّ و منصور واپس آئے۔ اس لیے آپ پہلے غازی، پھر شہید کہلائے۔

سوال: سورہ احزاب میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ پر عیب لگائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بے عیب ثابت کردیا۔ یہ کونسا عیب تھا؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اس سلسلہ میں کئی قول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ مخالفین نے آپ پر نامرد ہونے کا الزام عائد کیا تھا۔ مگر خالق اکبر نے انھیں اولاد عطا کر کے ان لوگوں کے الزام کو غلط ثابت کردیا۔

سائل: سید محمد حسین منتظر نقوی پپلاں

سوال: کیا تمام (قسم کی) موسیقی سننا حرام ہے۔ اگر نہیں تو کونسی جائز ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: ہر قسم کی موسیقی حرام ہے۔ اس کی حرمت ذاتی ہے۔ جو تخصیص کے قابل نہیں ہے۔

سوال: اگر کسی ہوٹل یا بس میں ہوں، وہاں گانے لگے ہوں تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اس قسم کے مواقع پر اگر توجہ سے ساز و آواز نہ سنی جائے تو صرف کان میں آواز پڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال: آج کل نعت خواں مختلف ساز بجا کر نعتیں پڑھتے ہیں، ان کا سننا کیسا ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: موسیقی بہر حال حرام ہے۔ خواہ قرآن میں ہو یا اذان میں، نعت میں ہو یا قصیدہ میں یا مرثیہ میں۔ جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں واضح کیا گیا ہے کہ زنا کی طرح غنا کی حرمت ذاتی ہے، جو تخصیص کے قابل نہیں ہے۔ (واللہ العالم)

سائل: ناصر عباس ناصر ماڑی شہر میانوالی

سوال: پاکستان کی سیاست کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اگرچہ یہ میرا میدان نہیں، تاکہ فرس ہمت کو مہمیز کروں۔ مگر ایک باخبر ناظر و ناقد کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ملک کی سیاست کا قبلہ درست نہیں ہے۔ اور میں کسی بھی سیاسی جماعت کی روش و رفتار سے مطمئن نہیں ہوں۔

سوال: پاکستان میں موجودہ حزب اختلاف یعنی ایم

ایم اے کا سیاسی کردار کیا ہے اور ایم ایم اے میں ہمارے قائد کی موجودگی کیسی ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سابقہ جواب سے واضح ہے۔ باقی رہی ہمارے قائد محترم کی اس جماعت میں شمولیت، تو "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" مگر ہمارے خیال میں یہ مُفید ہے، مضر نہیں ہے۔

سوال: پاکستان کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لیے سیاست دانوں اور عوام کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: سیاست دانوں کا فرض یہ ہے کہ وہ ذاتی مفاد سے بلند ہو کر ملکی و ملی مفاد کے لیے سیاست کریں اور عوام کا فرض ہے کہ وہ بھی ذاتی مفادات کے تنگ دائرہ سے نکل کر ملکی و ملی مفادات کے پیشِ نظر صحیح کردار کے حامل افراد کا انتخاب کریں۔

سوال: مُسلمانوں کو آپس میں متحد ہونے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

جواب، باسمہ سبحانہ: اسلامی اصول کے مطابق اہم کو اہم پر قربان کرتے ہوئے انھیں دو کام انجام دینے چاہئیں۔ (۱) فروعی اختلافات کو نظر انداز کر دیا جائے، اور ان کی بنا پر ہر قسم کے الجھاؤ سے کلی اجتناب کیا جائے۔ (۲) اسلام کے مشترکات کو اتحاد کی بنیاد قرار دیا جائے اور مختلفات سے ہر طرح اجتناب کیا جائے۔ اور قرآنی تعلیم لکم دینکم و لی دین پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دیا جائے۔

سوال: تنزّلی کا سامنا ہے۔ یعنی دنیا میں مُسلمان محکوم سے محکوم ترین ہیں۔ ایسے حالات میں اسلام کا بول بالا کیسے ہوگا، اور دنیا میں اسلامی حکومتیں کیسے قائم ہوں گی؟

جواب، باسمہ سبحانہ: مُسلمانوں کی پسماندگی کا واحد سبب ان کی اسلامی تعلیمات سے دوری اور اسلامی آئین وقوانین سے انحراف ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سوال: اس وقت دنیا بھر کے حالات خراب ہو چکے ہیں، بدکاری عام ہے، ایسے حالات میں ظہور امام زمانہؑ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب، باسمہ سبحانہ: حضرت امام زمانہؑ کے بارے میں پیشگوئیوں اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے بھی بدتر حالات پیدا ہوں گے اور زمین ظلم و جور اور کفر و ایجاد سے لبریز ہو جائے گی۔ بہرحال ہم تو تعجیل ظہورؑ کی دعا ہی کر سکتے ہیں، فیصلہ تو خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ "ویفعل مایشاء ویحکم مایرید"۔

دنیا کو ہے اس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگاہ زلزلہ عالم افکار

☆

باب المتفرقات

کربلا میں سید الشہداءؑ کی نماز

از علامہ حافظ سیف اللہ جعفری مرحوم

حضرت امام حسین علیہ السلام تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ واجب الاحترام شخصیت ہیں، اور کسی فرد کو بھی آپ کے سید الشہداء اور جوانانِ جنت کے سردار ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور اس بات پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے اہلِ بیت و اصحاب کی عظیم قربانی پیش کر کے اسلام کو دوبارہ زندہ فرمایا۔

حضرت امام حسین علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اپنے مجاہدانہ کردار سے نہ صرف اسلام اور اہلِ اسلام کو یزیدیت کے پنجے سے آزاد کیا، بلکہ ہمیشہ کے لیے یزیدیت کے ابھرنے کے دروازے بھی بند کر دیے اور آنے والے مسلمانوں کے لیے جہاد اور قربانی کی ایک عظیم مثال پیش کر دی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسا اسلام ہے جسے حسینؑ نے بچایا۔ جس اسلام کو حسینؑ نے بچالیا، ضرورت ہے کہ ہم اس کو پہچانیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اگر ہم خود اسلام کو جانتے ہی نہیں، یا جانتے ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے، یا اسلام پر عمل کرنے والوں سے استہزا کرتے ہیں، تو پھر ہمیں اس بات کو بار بار کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ حسینؑ نے اسلام کو بچایا، اور اس پر فخر کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر ہم امام حسینؑ کے بچائے ہوئے اسلام پر عمل نہ کریں تو ہم خود حسینی مشن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آخر اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو ہم اس قابل نہیں سمجھتے کہ ان پر عمل کریں تو پھر ایسا اسلام، جس پر عمل کرنا آپ پسند نہیں کرتے، اس کے لیے قربانی بھی آپ کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اگر آپ امام حسین علیہ السلام کی قربانی کو اسلام کے لیے ایک عظیم قربانی سمجھتے ہیں تو آئیے! اسلام کو پہچانیے، اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے، ورنہ صرف مصائب کے چند فقرے سن کر رو دینے سے امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام جن کے گھر میں اسلام و قرآن نازل ہوا اور جن سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کو نہیں جانتا، ان کا فرمان ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ اسلام کے پانچ اصول اور چھ فروع ہیں:

اصول: ① توحید ② عدل ③ نبوت ④ امامت ⑤ قیامت

فروع: ① نماز ② روزہ ③ حج ④ زکوٰۃ ⑤ خمس ⑥ جہاد۔

بے شک اسلام مین اور بھی بہت سی چیزیں ہیں، جو عقائد اور اعمال مین درج ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا پانچ اصول اور چھ فروع تو اسلام کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اب ذرا سوچیے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اسلام کو بچایا، تو اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عقیدہ توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت، اور اعمال، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، ان سب کو بچایا۔ کیونکہ ان کے بغیر تو اسلام مُتصوّر ہی نہیں ہوسکتا۔ امام حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا میں اپنی جان پیش کردی لیکن اسلامی توحید اور عدل کو مٹنے نہیں دیا۔ علیا کبرؑ ہم شکل پیغمبر کی قربانی پیش کردی، لیکن اسلامی عقیدہ نبوت و امامت کو مٹنے نہیں دیا۔ یزید کا خوف دنیا کے دلوں سے نکال دیا۔ لیکن خوفِ آخرت یعنی تصورِ قیامت کو کم نہ ہونے دیا۔ حضرت عباسؑ، علی اصغرؑ، قاسمؑ، عونؑ، محمدؑ اور باقی افراد اہلِ بیتؑ و اصحاب علیہم السلام کو خدا کے دین کے بچانے کے لیے شہید کروادیا۔ لیکن اسلامی اعمال، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، ان کی حقیقت اور ظاہری صورت کو مٹنے اور بدلنے نہیں دیا۔

کیا آپ کی اس عظیم قربانی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مقصد آپ کا یہ تھا کہ اے میرے ماننے والو! میں خود دنیا کی نظروں میں مٹ رہا ہوں، لیکن اصول و فروع اسلام کو میں نے مٹنے نہیں دیا۔ میرا پیروکار وہی ہوسکتا ہے جو ان اصول پر پورا یقین رکھے۔ اور ان فروع پر پورا عمل کرے، اور لوگوں کو اصول و فروع اسلام پر عمل کرنے کی تبلیغ کرے۔ اور اگر کوئی یزیدی طاقت ان اصول و فروع کو مٹانے کی کوشش کرے تو خود مٹ جائے، لیکن اسلام کو مٹنے نہ دے۔ تاکہ یہ اصول و فروع آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے صحیح وسالم محفوظ رہیں۔

کتنا تعجب ہے اس شخص پر کہ وہ اپنی زبان سے ہر وقت حسینؑ حسینؑ کرتا ہے، اور کبھی کبھی آپ کے مصائب میں دردِ دل سے روتا بھی ہے اور جن لوگوں نے یزید کے جھنڈے کے نیچے ہوکر اسلام کو مٹانے کی کوشش کی ان پر لعنت بھی بھیجتا رہتا ہے۔ لیکن خود اعمالِ اسلام پر عمل نہ کرکے امام حسین علیہ السلام کی روحِ پاک کو تکلیف پہنچاتا ہے، اور یزیدی مشن کی تقویت کے سامان پیدا کرتا ہے۔

بے شک اہلِ بیتؑ کے مصائب میں رونا عبادت ہے اور امام حسین علیہ السلام کے غم میں رونے کی شکل بنانا بھی مستحسن ہے۔ لیکن کیا سید الشہداؑء کا مطلب اس قربانی سے صرف اتنا تھا کہ وقتاً فوقتاً مجھے رو دیا کرنا۔ لیکن جس اسلام کے لیے میں مع اہلِ بیتؑ و اصحاب شہید ہو رہا ہوں، اس کی کوئی پرواہ نہ کرنا؟

نہیں! اور یقیناً نہیں! آپ کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا بلکہ امام حسین علیہ السلام وقت کے شرعی صاحب الامر تھے، دین کے امام تھے، انھوں نے اپنی زندگی بھر اور اپنے آخری وقت تک ساری شریعت اور پورے دین اسلام کی حفاظت کی اور اپنی قربانی سے قیامت تک کے لیے حفاظتِ اسلام کا سامان پیدا کردیا۔

میدانِ کربلا میں عین اس وقت جب کہ ظلم وجور کی

آندھیاں زوروں پر تھیں، تلواروں پر تلواریں چمک رہی تھیں، تیر اور نیزے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے سینوں کو چیر رہے تھے، ایسے وقت میں عین میدانِ کارزار میں نماز کو ادا کر کے امام حسین علیہ السلام نے اہمیتِ اعمالِ اسلام کو واضح فرما دیا، اور اپنے طرزِ عمل سے بتا دیا کہ مُشکل سے مُشکل وقت میں بھی اسلام کے اعمال خصُوصًا نماز کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

کیا پھر بغیر عذر یا معمولی عذر کی وجہ سے نمازوں کو ترک کرنے والے اور نماز کے معاملے میں قسم قسم کی باتیں کرنے والے یا نمازیوں سے نماز کی وجہ سے مذاق کرنے والے حسینی شیعہ کہلا سکتے ہیں؟ سنو! اور غور سے سنو! قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کا فرمان ہے: "نماز کو قائم کرو، مشرک نہ بنو"۔

حدیث میں حبیبِ خُدا علیہ السلام کا ارشاد ہے: "نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز کو ترک کیا، اس نے دین کو ڈھایا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: "قیامت کے روز اگر نماز قبول ہوئی تو باقی اعمال کی قبولیت کی امید ہے، اور اگر نماز رد کر دی گئی تو سب عمل رد کر دیے جائیں گے"۔ بلکہ معصوم علیہ السلام یہاں تک فرماتے ہیں: "نماز ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی آخری وصیت ہے"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے نماز اور نماز کو معمولی عمل سمجھنے والے کی ہم شفاعت نہ کریں گے"۔ بلکہ "جامع الاخبار" میں معصومینؑ سے یہاں تک احادیث موجود ہیں کہ: "جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اس کے متعلق ہمیں کوئی پرواہ نہیں کہ قیامت کے دن وہ فرعون کے ساتھ اٹھے، یا ہامان اور قارون کے ساتھ"۔ کیا قرآن اور اہلِ بیتؑ کے ماننے والے اتنی تصریحات کے باوجود نماز کو ترک کر سکتے ہیں؟...... نہیں اور یقیناً نہیں!

آئیے ذرا میدانِ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی نماز کے چند مناظر دیکھیے، اور پھر سوچیے کہ ہم قرآن اور اہلِ بیتؑ اور خصُوصًا امام حسین علیہ السلام کی متابعت کہاں تک کر رہے ہیں۔ تمام کتب مقاتل و مصائب میں موجود ہے۔ اور تمام تواریخ اسلام اس پر متفق ہیں کہ نویں محرم کو جب فوج یزید نے "یَا خَیلَ اللّٰہِ اِرکَبِی" کا نعرہ مار کر امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی طرف بڑھنا شروع کیا، تو امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حبیب بن مظاہرؓ، زہیر بن قین اور دوسرے مخصوصین اصحاب کی معیّت میں قوم فجار کی طرف بھیجا کہ ان سے پوچھو اتنی جلدی ہم پر کیوں چڑھ آئے۔

فوجِ یزید کی طرف سے جواب ملا کہ امیر عبیداللہ بن زیاد کا حکم پہنچا ہے کہ: "اگر امام حسینؑ اور ان کے ساتھ یزید کی بیعت کر لیں تو بہتر، ورنہ جلدی جنگ کا آغاز کر دیا جائے"۔

حضرت عباس علیہ السلام نے جلدی سے آ کر صورتِ واقعہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے بیان کی۔ حالات سُن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے تھوڑی دیر تامل فرمایا۔ پھر حضرت عباس علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اِرۡجِعۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تُؤَخِّرَهُمۡ اِلٰی غَدٍ وَ تَدۡفَعَهُمۡ عَنَّا الۡعَشِیَّةَ لَعَلَّنَا نُصَلِّیۡ لِرَبِّنَا اللَّیۡلَةَ وَ نَدۡعُوۡهُ وَ نَسۡتَغۡفِرُهُ یَعۡلَمُ اَنِّیۡ قَدۡ کُنۡتُ اُحِبُّ الصَّلٰوةَ لَهٗ وَ تِلَاوَةَ کِتَابِهٖ وَ کَثۡرَةَ الدُّعَآءِ وَ الۡاِسۡتِغۡفَارِ۔ (ذریعۃ النجاۃ ص ۷۸)

(ترجمہ) "میرے بھائی! اس قوم کی طرف دوبارہ جاؤ، اور ایسی کوششیں کرو کہ جنگ آج کی بجائے کل تک ملتوی ہو جائے، تاکہ آج کی رات ہم نماز، عبادت، دعا و استغفار میں صرف کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تحقیق میں نماز سے محبت رکھتا ہوں، اسی طرح تلاوت قرآن اور کثرت دعا و استغفار کا بہت شائق ہوں"۔

نام حسینؑ لینے والو! ذرا سوچو، امام حسین علیہ السلام نے ایک رات کی مہلت کیوں مانگی؟ سامانِ جنگ کی تیاری کے لیے یا کسی اور دنیوی مقصد کے لیے؟

نہیں...... صرف نماز اور تلاوۃ قرآن اور دعا و استغفار کے لیے۔ اور آپ نے یہ بھی اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ: "میں نماز سے بہت محبت رکھتا ہوں"۔

کیا جس نماز کو امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام مقاصد سے اعلیٰ سمجھا، اس کو ترک کر کے، یا اس میں کوتاہی کر کے ہم حسینی کہلا سکتے ہیں؟ جس نماز سے امام حسین علیہ السلام کو محبت تھی، اس سے نفرت کر کے ہم حسینی مشن کو کتنا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہم سب لوگ امام حسین علیہ السلام سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں تو امام حسین علیہ السلام ہمارے محبوب ہوئے اور امام حسین علیہ السلام نماز سے محبت رکھتے ہیں تو نماز امام حسین علیہ السلام کی محبوب ہوئی۔ تو کیا عاشق صادق کا یہی کام ہے

کہ اپنے محبوب کی حقیقی محبوب چیز سے نفرت کرے اور اپنی مرضی کو محبوب کی مرضی کے مطابق نہ کرے۔ بات بالکل واضح ہے، جو امام حسین علیہ السلام سے سچی محبت رکھتا ہے وہ کبھی بے نماز نہیں ہو سکتا، اور جو نماز میں کوتاہی کرتا ہے خواہ امام کے غم میں کتنے ہی اعمال بجا لائے لیکن اس کا دعویٰ محبت غلط ہے۔ اور اس کی یہ تمام عزاداری بے سُود ہے۔

بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام نے بذریعہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام قوم یزید سے التوائے جنگ کی ایک رات کے لیے مہلت حاصل کر لی تو پھر رات کو کیا کرتے رہے۔ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

فَقَامَ لَیۡلَةً کُلَّهَا یُصَلِّیۡ وَ یَسۡتَغۡفِرُ وَ یَدۡعُوۡا وَ یَتَضَرَّعُ وَ قَامَ اَصۡحَابُهٗ کَذٰلِكَ یُصَلُّوۡنَ وَ یَدۡعُوۡنَ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ (ذریعۃ النجاۃ ص ۸۴)

(ترجمہ) حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے تمام ساتھی ساری رات عبادت میں کھڑے رہے، نہایت خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتے رہے، اور دعا و استغفار میں مشغول رہے۔

آلِ عبا سے محبت رکھنے والو! سوچو، یہ ساری رات جو امام حسین علیہ السلام مع آل و اصحاب نمازیں پڑھتے رہے، تو یہ ان کا عمل آپ کو پسند ہے یا نہیں۔ اگر پسند ہے تو اپنے عمل سے ظاہر کرو۔

اور پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ساری رات میں صرف نماز عشاء کی چار رکعتیں ہی نہیں پڑھی ہوں گی، بلکہ نماز شب مع دیگر نوافل ادا کی ہو گی۔ (باقی آئندہ)

شہادتِ امام حسینؑ علیہ السلام

پنجتن پاکؑ کے ارشادات کی روشنی میں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

جیسا کہ سرکار سیّد الشہداء علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ کوئی اتفاقی و ناگہانی حادثہ نہ تھی، بلکہ مسلسل و متواتر علل و اسباب کثیرہ کا نتیجہ تھی۔ اسی طرح یہ امر بھی بکثرت اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جناب خامس آلِ عبا علیہ افضل التحیۃ والثنا بھی اپنی شہادت سے غافل نہ تھے، بلکہ پوری طرح اس کے لیے تیار تھے۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام، حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، اور جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس حادثہ کبریٰ اور قیامت صغریٰ کی باعلام اللہ خبر دے رکھی تھی۔ اور آنجنابؑ نے بھی مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے وصیت نامہ مین اس کی وضاحت کردی تھی۔ کتب سیر و تواریخ کی مزید ورق گردانی کرنے سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع رب العزت نے اپنے سابقہ انبیاءؑ کو بھی دے دی تھی۔ اور انھوں نے اپنی اپنی امتوں کو ان جانگداز واقعات کی خبر دے دی تھی۔ تفصیل میں جانے سے اختصار مانع ہے۔ البتہ خمسہ نجباء علیہم السلام کی پیش گوئیوں کو ایک شمہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے عاشر بحار و معہ ساکبہ اور ناسخ التواریخ وغیرہ کتب مبسوطہ کی مجلّدات موجود ہیں۔

جناب رسولِ خداؐ کا شہادت حسینؑ کی خبر دینا

کامل الزیارۃ میں بسند خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین علیہ السلام کو (ان کے بچپن کے وقت) گود میں لے کر کھلا ہنسا رہے تھے کہ عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس بچے سے اس قدر مانوس کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: بھلا میں کیونکر اس سے محبت نہ کروں، اور مانوس نہ ہوں، جبکہ وہ میرے دل کا پھل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (پھر فرمایا) اما ان امتی ستقتلہ فمن زارہ بعد وفاتہ کتب اللہ لہ حجۃ من حججی ...... عنقریب میری امت ان کو شہید کرے گی، پس جو شخص ان کی شہادت کے بعد ان کی زیارت کرے گا، اس کو میری حجوں میں سے ایک حج کا ثواب ملے گا۔ عائشہ نے بطور تعجب پوچھا: آپ کی حجوں میں سے ایک حج کا ثواب؟ آپؐ نے فرمایا: دو حجوں کا ثواب۔ اسی طرح عائشہ تعجب کرتی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار ایک حج کا اضافہ کرتے گئے۔ حتی بلغ تسعین حجۃ من حجج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ باعمارھا یہاں تک کہ آپؐ نے عمروں سمیت نوے حجوں کا تذکرہ فرمایا۔ (الدمعۃ الساکبہ ص ۲۸۴) مخفی نہ رہے کہ یہ ثواب بہائے بے پایاں اس صورت

میں ملیں گے جب زائر کے ذمہ کوئی واجبی حج نہ ہو)

امالی شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: میں فاطمہ زہرا اور حسن و حسین جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ یکایک آنحضرتؐ ہماری طرف دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: "ابکی مما یصنع بکم بعدی" میں ان مصائب کی وجہ سے رو رہا ہوں جو میرے بعد تم پر ڈھائے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کیا ہوگا؟ فرمایا: "ابکی لضربتك علی الفرق و لطم فاطمة خدها و طعنی الحسن فی الفخذ والسم الذی یسقی و قتل الحسین" میں تیرے سر مبارک پر ضرب کے لگنے (جناب) فاطمہ کو طمانچہ لگنے، حسنؑ کی ران پر نیزہ لگنے، نیز ان کے زہر پلائے جانے اور حسینؑ کے شہید ہونے پر گریہ و بکا کر رہا ہوں۔ (الدمعۃ الساکبہ ص ۲۹۴)

حضرت امیرؑ کا شہادتِ حسین کی خبر دینا

ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے حسب معمول فرمایا: "سلونی قبل ان تفقدونی" بخدا مجھ سے جس ہدایت یا گمراہ کرنے والے گروہ کے متعلق دریافت کروگے، میں تمھیں بتادوں گا۔ سعد بن ابی وقاص نے اٹھ کر کہا: فرمائیے میرے سر اور ریش میں کس قدر بال ہیں؟ آنجنابؑ نے فرمایا: میرے خلیل جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تو مجھ سے یہ سوال کرے گا۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ تیرے ہر ہر بال کی جڑ کے پاس ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ "وان فی بیتك لسخلا یقتل ولدی الحسین ابن بنت رسول الله انت و ولدك برئیان من الایمان" اور تیرے گھر میں ایک بچہ موجود ہے جو میرے فرزند حسینؑ ابن بنت رسولؐ کو شہید کرے گا۔ تیرا اور تیرے اس بیٹے کا ایمان و اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۱۸۵)

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ صفین کی طرف جاتے ہوئے جب ہم ارض نینوا میں پہنچے تو حضرت علی علیہ السلام نے باآوازِ بلند فرمایا: "یا بن عباس اتعرف هذا الموضع" اے ابن عباس کیا تم اس مقام کو پہچانتے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا: "لو عرفته معرفتی لم تکن تجوزه حتی تبکی کبکائی" اگر تم بھی میری طرح اس جگہ کو پہچانتے ہوتے تو میری مانند گریہ کیے بغیر یہاں سے نہ گزرتے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے بعد "فبکی طویلا حتی اخضلت لحیته و سالت الدموع علی صدره فبکینا معه و هو یقول اوه اوه مالی و لال ابی سفیان مالی و لا لحزب الشیطان و اولیاء الکفر صبراً ابا عبدالله فقد لقی ابوك مثل ما تلقی منهم ......" جناب امیر علیہ السلام بہت دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہوگئی اور آنسو سینۂ اقدس پر بہنے لگے۔ ہم بھی رونے لگے۔ آپؑ ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے جاتے تھے: ہائے ہائے آلِ ابی سفیان کو مجھ سے کیا بیر ہے؟ شیطانی گروہ اور صاحبانِ کفر کو مجھ سے کیا سروکار ہے؟ اے ابا عبداللہ! صبر سے کام لینا۔ کیونکہ تیرے باپ نے بھی ان لوگوں سے ایسے ہی اذیتیں اٹھائی ہیں جیسی تمھیں پہنچیں گی۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۸۵) (اس کے بعد جناب امیر) نے واقعہ شہادت کی تفصیل ابن عباس سے بیان فرمائی۔

کامل الزیارۃ میں ابوعبداللہ سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ "و الحسین الی جنبه فضرب بیدہ علی کتف الحسینؑ ثم قال ان ھذا یقتل و لا ینصرہ احد" اس وقت حسینؑ آپ کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنا ہاتھ حسینؑ کے کاندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا: یہ شہید کیا جائے گا۔ اور کوئی اس کی نصرت نہیں کرے گا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۸۶)

حضرت امیر علیہ السلام ابن ملجم ملعون کی ضربت سے زخمی ہوئے، تو جناب امام حسنؑ زار و قطار رونے لگے، اس وقت امیر علیہ السلام نے فرمایا: "یا بنی الیوم تجزع علی ابیک و غدا تقتل بعدی مسموما مظلوما و یقتل اخوک بالسیف ھکذا و تلحقان بجد کما و ابیکما و امکما" بیٹا حسنؑ! آج تو اپنے والد پر گریہ و بکا کر رہے ہو، حالانکہ کل تمھیں زہر جفا سے شہید کیا جائے گا، اور اسی طرح تمہارے بھائی حسینؑ کو بھی تلوار ظلم سے شہید کیا جائے گا۔ اور تم دونوں اسی حالت میں اپنے نانا و بابا اور ماں کی خدمت میں پہنچو گے۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۶)

امام حسنؑ مجتبیٰ کا شہادتِ حسینؑ کی خبر دینا

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب امالی میں اپنے سلسلہ سند سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: "ان الحسین بن علی بن ابی طالبؑ دخل یوما علی الحسن فلما نظر الیه بکی فقال ما یبکیك یا ابا عبداللہ ؟ قال ابکی لما یصنع بك فقال الحسین ان الذی یوتی الی سم یدس الی فاقتل به و لکن لا یوم کیومك یا ابا عبداللہ یزدلف الیك ثلاثون الف رجل یدعون انھم من امة جدنا محمد صلی اللہ علیه و آله و ینتحلون دین الاسلام فیجتمعون علی قتلك و سفك دمك انتھاك حرمتك و سبی ذراریك و نساءك و انتھاب ثقلك فعندھا تحل بنی امیة اللعنة و تمطر السماء و مادا و دما و یبکی علیك کل شی حتی الوحوش فی الفلوات و الحیتان فی البحار" کہ: ایک مرتبہ جناب امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی حضرت امام حسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے لگے۔ امام حسنؑ نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا: آپ کے ساتھ جو سلوک کیا جانے والا ہے، اس پر رو رہا ہوں۔ امام حسنؑ نے فرمایا: میری طرف تو مخفی طور پر زہر بھیجا جائے گا، جس کی وجہ سے میں شہید ہو جاؤں گا، لیکن اے ابا عبداللہ! تیری مصیبت کی طرح کسی کی مصیبت نہیں۔ پورے تیس ہزار آدمی تیرے قتل کے لیے چڑھ آئیں گے۔ اور یاں ہمہ دعویٰ اسلام بھی کرتے ہوں گے۔ نیز ان کا یہ دعویٰ بھی ہوگا کہ وہ ہمارے جد نامدار کی امت سے ہیں۔ یہ سب لوگ آپ کے قتل کرنے، خون بہانے، آپؑ کی ہتک حرمت کرنے، آپؑ کی مستورات کو قید کرنے اور آپ کا ساز و سامان لوٹنے کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت بنی امیہ پر لعنت نازل ہوگی۔ اور آسمان سے راکھ اور خون برسے گا۔ اور آپ کی مصیبت پر کائنات کی ہر چیز حتی کہ جنگلوں کے وحشی جانور اور پانی کی مچھلیاں بھی روئیں گی۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۸۶ و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۱۳۶)

جناب سیدہؑ کا شہادتِ حسینؑ پر مطلع ہونا

آیت مبارکہ: "و وصینا الانسان بوالدیه احسانا، حملته امه کرھا و وضعته کرھا، و حمله و فصاله ثلاثون

شہرا" الآیہ کی تفسیر میں اصول کافی اور تفسیر برہان وغیرہ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کو حسینؑ کے مصائب سے اس وقت باعلام اللہ آگاہ فرمایا تھا، جبکہ ہنوز جناب حالتِ حمل میں بھی نہ آئے تھے۔ اس لیے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ان مصائب وآلام پر گریہ وبکا فرماتی رہتی تھیں۔

خود امام حسینؑ کا اپنی شہادت کی خبر دینا

مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد اس امر میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ حضرت امام حسینؑ کو اپنی شہادتِ عظمیٰ کا علم تھا۔ مزید برآں اس سلسلہ میں خود آپؑ کے بھی کئی فرامین ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "واللہ لا یهنئنی بنو امیه حتی یقتلونی و هم قاتلی...... الخ" بخدا بنی امیہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک مجھے قتل نہ کرلیں گے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۸۶)

امام محمد باقر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت امام حسینؑ احرام حج توڑ کر عراق تشریف لے جانے لگے تو عبداللہ بن زبیر نے عرض کیا: فرزند رسول! آپ حج چھوڑ کر عراق جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "یابن زبیر لان ادفن بشاطی الفرات احب الی من ان ادفن بفناء الکعبة" اے ابن زبیر! اگر میں (شہید ہوکر) فرات کے کنارے دفن کیا جاؤں، تو یہ امر مجھے کعبہ کی ڈیوڑھی میں دفن ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۸۶) اس میں اپنی شہادت بمقام کربلا اور ابن زبیر کے قتل بمقام کعبہ کی طرف صریح اشارہ موجود ہے۔

اسی طرح ثقۃ الاسلام کلینی کی روایت کے مطابق آپ نے مدینہ سے تشریف لے جاتے وقت بنی ہاشم کے نام جو رقیمہ کریمہ تحریر فرمایا تھا، اس میں بھی اس امر کی صراحت کردی تھی۔ تحریر فرماتے ہیں: "بسم الله الرحمن الرحیم من الحسین بن علی بن ابی طالب الی بنی هاشم اما بعد فانه من لحق بی منکم استشهد و من تخلف لم یبلغ مبلغ الفتح و السلام" کہ تم میں سے جو شخص میرے ساتھ جائے گا وہ شہید ہوجائے گا۔ اور جو پیچھے رہ جائے گا، وہ بھی (ظاہری) فتح ونصرت حاصل نہیں کر سکے گا۔ (نفس المہموم ص ۳۸ و عاشر بحار ص ۷۵ وغیرہ)

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ سانحہ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں تھا، بلکہ آپ کے ابتدائے عمر سے برابر اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع دی جارہی تھی۔ اور آپ پوری طرح اس کے لیے آمادہ و تیار تھے۔ چنانچہ وقت آنے پر آپ نے اس ثابت قدمی، راسخ الاعتقادی، صبر وضبط اور ناقابلِ تسخیر عزم وارادہ کا اظہار فرمایا کہ جس کی نظیر صفحہ تاریخ پر نہیں مل سکتی "و لقد تعجبت من صبرك ملائكة السماء" اے سرکارِ شہادت آپ کے صبر پر آسمان کے فرشتے تعجب کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ:

از ہیچ پیغمبرے نآید ایں کار
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

باب المتفرقات

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا مقصد

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

کام کی قدر و قیمت، اس کی غرض و غایت کے تابع ہوتی ہے

یہ امر کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے کہ کوئی عقل وخرد رکھنے والی ہستی کوئی کام بغیر کسی غرض و غایت کے نہیں کرتی۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ غرض ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی، بلکہ کبھی بلند اور کبھی پست ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ کسی بھی فعل کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس کی غرض و غایت کی بلندی یا پستی سے لگایا جاتا ہے۔ جس فعل کی جس قدر غرض و غایت بلند اور عظیم الشان ہوگی اسی قدر وہ فعل ارباب نظر کی نگاہ میں حقیر و مہین متصوّر ہوگا۔ مثلاً ایک شخص اپنے محبوب حقیقی کے پسندیدہ دین کی بقا و تحفظ کی خاطر اپنی جان عزیز جان آفرین کے سپرد کرتا ہے، وہ شہید راہِ خدا کہلاتا ہے۔ اور زندۂ جاوید کے ممتاز لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اس طرح خوشنودیٔ خدا کا تمغہ حاصل کرتا ہے اور لوگ اس پر مدح و ثنا کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

ایک دوسرا شخص ہے، وہ بھی اپنی جان نثار کرتا ہے مگر کسی پری وش محبوبہ کے عشق و محبت میں گرفتار ہوکر، اور اس کے درد فراق سے متاثر ہوکر، تو عند اللہ "خودکشی" ایسے سنگین جرم کا مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور ارباب عقل و دانش اس کی حماقت پر ہنستے ہیں۔ یہ اختلاف و تفاوت کیوں ہے؟ جبکہ دونوں فعل بظاہر متجانس و متماثل ہیں۔ دونوں میں جان کا زیاں ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ اختلاف اقدار صرف اغراض و مقاصد کے اختلاف سے رونما ہوا ہے۔ اس لیے اس مُسلمہ اصول کی بنا پر حسینی شہادت کی حقیقی عظمت معلوم کرنے کے لیے اس کا اصلی مقصد معلوم کرنا ضروری ہے۔

شہادت حسینی نے بنی امیہ کے خلافِ اسلام کردار کو بے نقاب کردیا

کچھ عرصہ سے خلافت نبویہ کو جس نہج پر چلایا جا رہا تھا، اس نے بتدریج اب قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی، اب حالت یہ تھی کہ کھلے بندوں حکام اسلام احکام اسلام کی مخالفت کرتے تھے اور ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ کھدر ایسے سادہ اسلامی لباس کی جگہ اب ریشم و دیبا نے لے لی تھی۔ ان کے گھروں سے اب آوازِ قرآن کی جگہ راگ و سرود کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ عبادت و اطاعت میں شب زندہ داری کی جگہ راتیں دادِ عیش و عشرت دینے میں گزاری جاتی تھیں۔ پانی کی بجائے اب دورِ جام و سبو چلتا تھا۔ محرماتِ ابدیہ سے اب جنسی خواہش کی تسکین مباح سمجھی جاتی تھی۔ اور ستم بالائے ستم یہ تھا کہ علماء المسلمین انہی نظریات اور افعال

کو اصل اسلام کہتے تھے اور نام نہاد حکام اسلام کے خلاف شرع افعال واحکام کو عین اسلام قرار دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس وقت اسلام کا صحیح ہمدرد، بانی اسلام کا نواسہ، اسلام کے پہلے بطل جلیل وعظیم جرنیل کا لخت جگر اور امت مُسلمہ کا سچا غمخوار یعنی حسین بن علی علیہما السّلام خاموش تماشائی کی طرح حالات کو دیکھتا رہتا، یا (معاذ اللہ) یزید عنید کی بیعت کر لیتا تو ظاہر ہے کہ پھر اس نام نہاد خلیفۂ وقت کے مذکورہ بالا ملحدانہ نظریات اور کافرانہ حرکات پر مہر صحت ثبت ہو جاتی، اور اس طرح اسلام نیست و نابود ہو جاتا اور اگر برائے نام باقی رہ بھی جاتا تو اس مسخ شدہ شکل میں کہ اسے اصل صحیح اسلام سے ذرہ بھر بھی کوئی مناسبت نہ ہوتی۔ ایسے حالات میں حضرت امام حسینؑ نے بیعت سے انکار اور شہادتِ عظمیٰ کا راستہ اختیار کر کے تمام عالم پر اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ اسلام اور ہے، اور موجودہ مُسلمانوں خصُوصًا نام نہاد خلیفۃ المسلمین کا عمل و کردار او۔ جسے اسلام کی تصویر سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اس طرح امام عالی مقامؑ نے جامِ شہادت نوش کر کے قیامت تک اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اور بنی امیہ کے چشم و چراغ یزید پلید کے مُلحدانہ اعتقادات اور کافرانہ حرکات کو بالکل بے نقاب کر دیا۔ اب رائے عامہ اس قدر بیدار ضرور ہو گئی تھی کہ اگر یزید کے بعد بھی بنی امیہ یا بنی عباسیہ کی بعض خلافتوں کے دور میں ایسے قبیح و شنیع حرکات کا ارتکاب قصرہائے حکومت میں کیا گیا ہے تو ایک لمحہ کے لیے بھی مُسلمانوں نے اسے اسلام نہیں سمجھا، بلکہ یہی کہا ہے کہ اسلام اور ہے اور خلیفہ کا کردار اور۔

شہادتِ حسینؑ بقائے اسلام کی ضامن ھے

یزید کے عقائد و اعمال پر سرسری نظر کرنے سے یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یزید کا مقصد اسلام کو مٹانا اور اسے صفحہ ہستی سے نیست نابود کر کے اس کی جگہ اپنے آبائی مذہب (کفر و شرک) کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے زمین کا ہموار کرنا تھا، جس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا تھا، البتہ اب اس کی تکمیل امام حسینؑ سے بیعت لے کر کرنا چاہتا تھا، تا کہ عام مُسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال سکے۔ اور ان کو بآسانی یہ باور کرا سکے کہ اگر اس کے نظریات اور حرکات و سکنات درست نہ ہوتے تو بانی اسلام کا جگر گوشہ، حسب و نسب میں یکتائے روزگار، اور اسلام کی مزاج شناسی میں وحید عصر اور اس کا سچا غمخوار کیوں کر اس کی بیعت کرتا؟ امام علیہ السلام حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ اس لیے انھوں نے زبانِ حال سے یہ کہہ کر کہ:

ان کان دین محمد لم یستقم
الا بقتلی فیا سیوف خذینی

خندہ پیشانی سے جانگداز مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا۔ اور آخری دم تک اس پر ثابت قدم رہ کر یزید کے عزائم مشؤمہ کو خاک میں ملا دیا، اور اس طرح اسلام کو ایک زندۂ جاوید حقیقت بنا دیا۔ حلال و حرام کے درمیان ابدی خط امتیاز کھینچ دیا۔ جائز و ناجائز کے حدود کو مضبوط کر دیا۔ اسلامی اصول و اقدار کو پائیدار بنا دیا۔ عامۃ المسلمین کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ لوگوں کو ظالم سے نفرت اور مظلوم کی ہمدردی و حمایت پر وادار کر دیا۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است
(اقبالؒ)

اگر شہادت حسینؑ نہ ہوتی تو آج نہ کوئی کلمہ اسلام پڑھتا اور نہ ہی کوئی نماز وروزہ وغیرہ اسلامی شعائر پر عمل درآمد کرتا۔

دیتے نہ سر حسینؑ تو پڑھتا نماز کون؟

ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے جو کچھ علائم وآثار موجود ہیں یہ سب کچھ امام حسینؑ کی شہادت کے طفیل ہے۔اس طرح وہ مُسلمانوں کے مُحسن اعظم قرار پاتے ہیں۔لہٰذا بموجب ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' تمام مُسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ سرکار شہادت کی یادگار منائیں اور ان کی مجالس عزا مُنعقد کرنے میں باہمی اشتراک عمل اور تعاون کا مظاہرہ کرکے اپنے اس مُحسن کے احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی کوشش کریں۔فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

شہادتِ حسینؑ نے پورے عالم انسانیت کو ہلاکت ابدی سے بچالیا

اگر ذرا بنظر غائر تاریخی حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی شہادتِ عظمیٰ کے ذریعہ سے نہ صرف اسلام کو کفر وشرک کی یلغار سے بچایا ہے بلکہ پورے عالم انسانیت کو ابدی ہلاکت و بربادی سے بھی بچایا ہے۔اربابِ عقل وخرد جانتے ہیں کہ انسان اور عام حیوان میں مابہ الامتیاز جوہر عقل ہی ہے۔چونکہ انسان میں یہ جوہر نفیس موجود ہے اس لیے وہ خیر وشر، حسن وقبح اور حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے۔اور حیوان چونکہ اس گرانقدر عطیۂ الٰہی سے محروم ہے اس لیے وہ اپنی خورد ونوش اور حرکات وسکنات میں خوب وزشت اور حلال وحرام کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔اسے جو کھانے کی چیز مل جائے اس سے پیٹ بھرلیتا ہے۔پینے کی ہو تو اسے پی لیتا ہے اور جنسی تسکین مٹانے کی ہو تو اس سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کرلیتا ہے۔اس کی بلا سے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔اس کا یہ فعل عقلاء کی نظر میں ممدوح ہے یا مذموم؟ اور اس کی یہ حرکت حسن ہے یا قبیح، کیوں؟ اس لیے کہ وہ جوہر عقل وخرد سے محروم ہے۔لیکن اگر انسان عقل کے باوجود اس سے کام نہ لے اور حیوان کی طرح مُطلق العنان ہوکر بندۂ نفس اور غلام ہواو ہوس بن جائے، اور خیر وشر کے پیمانے توڑکر حلال وحرام کی حدود پھاند کر اور حسن وقبح کی قیود سے آزاد ہوکر وحشیانہ حرکات کرنے لگے، تو پھر خالق کائنات کی نگاہِ اشرف میں حیوانات سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: ''لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ'' (اعراف: ۱۷۹)

''جو لوگ عقل تو رکھتے ہیں مگر اس سے سوچتے نہیں ہیں، کان رکھتے تو ہیں مگر (حق کو) سنتے نہیں، آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر (حق وحقیقت کو) دیکھتے نہیں، وہ حیوانات کی مانند ہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر اور گمراہ تر''۔

اب ذرا یزید کے نظریات اور اس کے اعمال کو پیشِ نظر رکھ کر تھوڑا سا غور کیجیے، تو آپ پر یہ حقیقت واضح وعیاں ہوجائے گی کہ یزید نہ صرف یہ کہ اسلام کا دشمن تھا اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا، بلکہ وہ

پورے عالم انسانیت کا جانی دشمن تھا۔ وہ اس کی ہلاکت و تباہی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پینے کے سلسلہ میں پانی و شراب کا امتیاز ختم ہوجائے اور جنسی خواہش کی تکمیل کے سلسلہ میں ماں اور بہن کی قید ختم ہوجائے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶ وغیرہ) اور حصولِ مقصد میں صدق و کذب کے حدود ٹوٹ جائیں۔

ظاہر ہے کہ اگر یزید اپنے ان ناپاک اور مُہلک انسانیت عزائم میں کامیاب ہوجاتا تو آج کم از کم کرۂ ارضی پر انسان تو ہوتے مگر ان کے اندر روحِ انسانیت نہ ہوتی۔ لہٰذا آج جو انسانوں میں انسانیت موجود ہے یہ شہادتِ حسینی کا فیض ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوجاتا ہے کہ حسینؑ صرف "شہید تشیّع" نہیں اور نہ فقط شہید اسلام ہیں، بلکہ وہ "شہید انسانیت" ہیں۔ ؎

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسینؑ
ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

چونکہ شہادتِ حسینؑ کے مقصد میں آفاقیت پائی جاتی ہے، اس لیے اس کے آثار بھی عمومی اور ہمہ گیر ہیں جو لوگ خدا کو خدا نہیں جانتے اور رسول کو رسول نہیں مانتے، غرضیکہ جو اسلام کو دین خدا نہیں سمجھتے، وہ لوگ بھی بارگاہِ حسینی میں اخلاص و عقیدت کے پھول نثار کرتے ہوئے اور ان کی محبت میں اشک بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ولنعم ما قیل:

تو اپنے خونِ پاک کے چھینٹوں سے اے حسینؑ
اِنسان کی شرافتِ خُفتہ جگا گیا

اسلام کی کشش کا نہ جن پر اثر ہوا
تو درد بن کے ان کے دلوں میں سما گیا

اگر اب تک بھی کوئی قوم حسینؑ کی بارگاہِ مُعلّیٰ میں سر نیاز خم نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہنوز اس نے مقصد شہادتِ حسینؑ پر مکمل غور و فکر نہیں کیا۔ جب بھی وہ اس پر غور و تامل کرے گی تو پھر آغوش حسینیت میں ہی اپنی نجات تصور کرے گی۔ ان شاء اللہ۔ ؎

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مقصد شہادتِ حسینؑ خود امام حسینؑ کے کلامِ حقیقت ترجمان کی روشنی میں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقصد شہادت پر سب سے زیادہ روشنی آپ کے اس وصیّت نامہ سے پڑتی ہے جو آپ نے مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے بھائی جناب محمد بن حنفیہؒ کے نام لکھا تھا۔ اس میں آپؑ فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما اوصی به الحسین بن علی بن ابی طالب الی اخیه محمد المعروف بابن الحنفیة ان الحسین یشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له و ان محمدا صلی الله علیه و آله عبده و رسوله جاء بالحق من عند الحق و ان الجنة و النار حق و ان الساعة آتیة لا ریب فیها و ان الله یبعث من فی القبور و انی لم اخرج اشراً و لا بطراً و لا مفسداً و لا ظالمًا و انّما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی صلی الله علیه و آله ارید ان آمر بالمعروف و انهی عن المنکر و اسیر بسیرة جدی و ابی علی بن ابی طالب علیه السلام فمن قبلنی بقبول الحق فالله اولی بالحق و من رد علی هذا اصبر حتی یقضی الله بینی و بین القوم بالحق و هو خیر الحاکمین و هذه وصیتی یا اخی الیك و ما توفیقی الا بالله علیه توکلت و

الیہ انیب (نفس المهموم ص ۳۸ طبع ایران، عاشر بحار ص ۱۷۴ و ۱۷۵، قمقام ص ۲۲۵، ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۱۶۰ وغیرہ)

"یہ وہ وصیت نامہ ہے جو حسین بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہؓ کے نام لکھا ہے۔ حسین گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے عبد خاص اور اس کے فرستادہ برحق رسول ہیں۔ اور یہ کہ جنّت و جہنم برحق ہیں۔ اور قیامت بلا شک ضرور آئے گی اور خدا مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ (اس کے بعد واضح ہو کہ) میں کسی قسم کا فساد پھیلانے یا غرور و تکبر کا اظہار کرنے یا سلطنت حاصل کرنے یا ظلم و ستم کرنے کے لیے نہیں نکل رہا، بلکہ اپنے جد نامدار ﷺ کی امت کی اصلاح کی خاطر نکل رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ معروف (نیکی) کا حکم دوں اور منکر (برائی) سے روکوں، (جس میں پورے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود ہے) اور اپنے جد نامدارؐ اور پدر عالی وقارؑ کی سیرت پر چلوں۔ پس جو شخص مجھے برحق سمجھ کر قبول کرے گا (جو کہ سراسر حق ہے) تو حق تعالیٰ اس کے حق کو قبول کرنے میں اولیٰ ہے اور جو شخص میرا انکار کرے گا تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم جو بہترین حکم کرنے والا ہے میرے اور قوم (جفا کار) کے درمیان مناسب فیصلہ کرے۔ اے بھائی! یہ میرا وصیت نامہ ہے۔ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں توفیق ہے۔ میں اسی پر بھروسا کرتے ہوئے اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

ان مقاصد جلیلہ کے حصول کی خاطر حسین علیہ السلام نے اقدام جہاد فرمایا، اور شہادتِ عظمیٰ کے درجۂ رفیعہ پر فائز ہوئے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

کیا حسینؑ کا مدّعا دُنیاوی سلطنت اور بادشاہی حاصل کرنا تھا؟

عام طور پر کوتاہ اندیش اور کور باطن لوگ یہ کہہ کر شہادتِ حسینؑ کی عظمت کو کم کرنے کی لاحاصل سعی کیا کرتے ہیں کہ حسینؑ و یزید عنید کی جنگ (معاذاللہ) دنیاوی اقتدار اور سلطنت حاصل کرنے کی باہمی کشاکش کا نتیجہ تھی۔ ایسی بے جوڑ اور بے تکی بات وہی لوگ کر سکتے ہیں جو جوہر عقل سے تہی دامن ہیں، یا پھر انھوں نے اس جوہر سے کام لینے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس لیے حالات واسباب اور ان کے نتائج سے آنکھیں بند کر کے روایت ودرایت کے خلاف اس قسم کی بے سروپا باتیں کیا کرتے ہیں۔ ورنہ معمولی عقل وخرد، دیدۂ بینا اور خداداد عدل و انصاف رکھنے والے حضرات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا دعویٰ میں صداقت کا ایک شائبہ بھی نہیں ہے۔ اگرچہ گزشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس زعم باطل کی نفی کے لیے کافی ووافی ہے، تاہم بقولے ؎

خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

یہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے کلام کی روشنی میں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جاتا ہے، موصوف اقدام و خروجِ حسینؑ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات و آنچہ در مشکوٰۃ

ثابت است که آنحضرت ﷺ از بغی و خروج ہر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند، پس در آن وقت است کہ آن بادشاہ ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط تام پیداکردہ باشد ، و ہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند، و مثل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط و آنچہ درحدیث ممنوع است آن خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائز باشد و الفرق بین الرفع و الدفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیۃ

(فتاوی عزیزی ج ا ص ۲۲)

"یعنی امام حسینؓ کا خروج اس لیے تھا کہ کمزور رعایا کو حاکم ظالم (یزید عنید) کے پنجہ استبداد سے رہائی دلائیں ۔ ظاہر ہے کہ ظالم سے گلو خلاصی کرانے میں مظلوم کی امداد کرنا واجب و لازم ہے ۔ مشکوٰۃ والی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بادشاہ وقت پر اگرچہ ظالم و جائر بھی ہو، خروج کرنے کی جو ممانعت فرمائی ہے، تو یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ حاکم بلا روک ٹوک اور بلا مزاحم مکمل تسلّط حاصل کر چکا ہو ۔ مگر یزید کو ہنوز ایسا تسلّط حاصل نہ ہوا تھا ۔ کیونکہ ابھی تک حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے اس کی بیعت نہیں کی تھی ۔ نیز اہلِ مکہ و مدینہ اور اہلِ کوفہ بھی اس کے اس تسلّط پر راضی نہ تھے ۔ خلاصہ یہ کہ امام حسین علیہ السلام کا خروج اس لیے تھا کہ اس ظالم کا (مسلمانوں پر) کامل تسلّط ہونے ہی نہ دیں ۔ نہ یہ کہ اس کے حاصل شدہ تسلّط کو اٹھائیں ۔ حدیث میں جو منع وارد ہے وہ دوسری قسم (رفع تسلّط) کی ہے، نہ کہ پہلی قسم (دفع تسلّط) کی ۔ دفع اور رفع میں جو فرق ہے وہ فقہی مسائل میں مشہور و معروف ہے"۔

ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام کے پاس یزید کے مقابلہ میں ظاہری ساز و سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا ۔ لہٰذا اسے کسی طرح بھی دو بادشاہوں کی جنگ نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ ایک ظالم و مظلوم کی جنگ تھی ۔ حق و باطل کی جنگ تھی ۔ کفر و اسلام کی جنگ تھی ۔ حسینؑ حکیم ربانی تھے ۔ وہ جانتے تھے کہ اگر طاقت کا مقابلہ طاقت سے ہوا اور وہ غالب بھی آگئے تو یہی کہا جائے گا کہ دو بادشاہ لڑے تھے ۔ ایک غالب آ گیا ۔ اس طرح یزید تو مغلوب ہوجائے گا مگر یزیدیت کو شکست نہیں ہوگی ۔ مگر حسین علیہ السلام تو یزیدیت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے ۔ اس لیے انھوں نے حق کی طاقت سے مسلّح ہوکر بے سرو سامانی کی حالت میں یزید ایسے فرعون وقت سے ٹکر لے لی اور اس طرح حق و حقیقت کی طاقت سے قصر یزیدیت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور اہلِ عالم پر ظاہر کر دیا کہ یہ دو بادشاہوں کا محاربہ نہ تھا، بلکہ حق و باطل کا معرکہ تھا ۔ جس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے حق کا بول بالا اور باطل کا منُھ کالا ہوگیا ۔ ؎

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے با چنیں ساماں سفر

☆

لمحہ فکریہ، یا

ملت گریہ کُن سے دو باتیں

خداوند عالم حسین مظلوم علیہ السلام کے تمام نام لیواؤں کو یہ توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اپنی سیرت کو حسینی سیرت وکردار کے آئینے میں تشکیل دینے کی کوشش کریں امام حسین علیہ السلام یقیناً نہ صرف عالم اسلام بلکہ پورے عالم انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ لیکن اس معنی مین کہ انھوں نے نجاح وفلاح دارین کا راستہ واضح وآشکار کردیا ہے۔ اور کربلا کے جہاد کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے دین وشریعت کو بقائے دوام بخش کر ہمیں نجات کے قابل بنادیا ہے۔ لیکن اس اعتبار سے ان کو نجات دہندہ قرار دینا بالکل غلط ہے کہ امت کے گناہوں کا کفارہ بن کر خود شہید ہو گئے ہیں۔ اور اپنے نام لیواؤں کو اجبات کی ادائیگی یا محرمات سے اجتناب کی قید سے بالکل آزاد کر دیا ہے۔ آنجناب نے شہید ہو کر (معاذاللہ) ہمارے عملی قویٰ کو معطل نہیں کیا، بلکہ اپنے تابناک اور عدیم النظیر عملی کارناموں سے ہمیں عمل کرنے کا درس دیا ہے۔

کیا حسین علیہ السلام کی شہادت سے یہ غرض تھی کہ کچھ رونے والے پیدا ہو جائیں، کیا حسینؑ نے انسانی طاقت برداشت سے بالاتر مصیبتیں صرف اس لیے اٹھائی تھیں کہ ان کے نام پر سبیلیں لگائی جائیں، شیرینی تقسیم ہو، علم اور تابوت اٹھیں، تعزیے بنائے جائیں، تاشے نقارے بجیں یا سینہ کوبی ہوا کرے؟ نہیں...... ایسا ہرگز نہیں۔ حسینؑ نے اسلام کی حمایت میں جان دی۔ احیائے ملت کے واسطے اپنے دوستوں، عزیزوں اور بیٹوں کی قربانی منظور فرمائیں، اصول کے تحفظ کو اپنے خون سے خرید اور ہم کو تعلیم دی کہ اصولوں کی تائید و پیروی آخر دم تک کرنی چاہیے۔ خواہ کچھ ہی افتاد پڑے یہ جو کچھ ہوا ہمارے مذہبی، روحانی اور اخلاقی معاشرتی، تمدنی اصلاح و حمایت اور ہماری تعلیم و ہدایت کے لیے نہ صرف عورتوں کی طرح رونے پیٹنے اور چھاتی کوٹنے کے لیے۔ مگر کس قدر افسوس ہے کہ ہماری دنیا ایک مرکز اخلاق اور پیشوائے ملت کی بنائی نہیں معلوم ہوتی۔ جہاں اس قدر جہالت اور اس قدر نخوت، اس قدر خود غرضی، اس قدر ایذا رسانی، اس قدر غصب حقوق، اس قدر ظلم، اس قدر ایثار اور قربانی کا ماحصل صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایک جگہ جمع ہو کر حقہ پئیں، کچھ شیرینی بانٹ دیں، اشعار رزم و بزم کا لطف اٹھائیں، کچھ ذاکرین کے مخصوص انداز دیکھ لیں، ذاکر فاتحانہ انداز سے دائیں بائیں دیکھیں، اور لوگ اپنے ایثار پر ناز کریں کہ ہم نے کچھ وقت اس مشغلہ میں صرف کر دیا۔ ایسا خیال حسین علیہ السلام پر اس سے بھی بڑھ کر ظلم ہے، جو کربلا میں واقع ہوا۔ حسینؑ کی شہادت احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے واسطے ہے۔ حسین علیہ السلام نے ملتِ اِسلام کے جہاز کی اس وقت ناخدائی کی جب وہ فسق و ارتداد کے طوفانی جھونکوں سے ڈگمگا رہا تھا۔ حسین علیہ السلام نے ملت اسلام کا عملی مثالیہ بن کر ہم کو ایثار اور علوئے نفس، استقلال، تسلیم و رضا، صبر، حمایت حق، صیانت شریعت، خلق و کرم، ہمدردی، رحم اور ادائے فرض کی تعلیم دی۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو مذکورہ بالا صفات واحکام پر عمل کرتے ہوں۔

صرف فرائض ہی کو لیجیے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

خمس، جمعہ، جماعت، تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا۔ عتبات عالیہ کی زیارات کو اگر سو جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالی شان ہیں، ہزاروں روپیہ کا شیشہ، آلات وغیرہ موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اول تو مسجد میں نماز کی پابندی ہی نہیں۔ اگر ہے بھی تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا، کسی وقت دو آ گئے۔ کسی وقت چار۔ مجالس کی ترتیب، روشنی، اور تکلفات کی افراط، ذاکرین کی خدمت اور شیرینی کی تقسیم پر دل وجان سے روپیہ صرف کرنے کو تیار ہیں مگر زکوٰۃ وصدقات سے سروکار ہی نہیں۔ ایسی حالت میں ان کا ادعائے پیروی حسینؑ اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو۔

کوئی شخص صرف آنسوؤں کے چند قطروں یا منھ بسور دینے سے وہ بڑا انعام نہیں حاصل کرسکتا، جسے جنّت کہتے ہیں۔ نہ بہشت اور دائمی نجات کے پٹے ایسے ارزاں پڑے بکتے ہیں جو اس طرح رائیگاں اور مفت ہاتھ آجائیں۔ ہمارا مسئلہ شفاعت مسیحیوں کی طرح عجیب وغریب نہیں ہے کہ گناہوں کی گٹھڑی خدا کے بیٹے کے حوالے کردینا کافی ہے۔ اور پھر خلیع العذار ہوکر جو چاہیں کریں۔ کوئی باز پرس کرنے والا ہی نہیں۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۃ الزلزال: ۷ و ۸)

ہم پر طاعات اسی طرح فرض ہیں جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے۔ اگر ہم ان سے جاہل و غافل اور لاپرواہ ہیں تو ہمارا دعویٰ محبت حسینؑ محض دروغ اور سراسر کذب ہے۔ حسینؑ کے مصائب تو انھیں طاعات کے قائم کرنے کے لیے تھے۔ اگر طاعات و فرائض کی بجا آوری میں تساہل ولاپرواہی خدا اور اس کے رسولؐ سے عدول حکمی اور سرکشی کی جائے تو یہ رونا کیا فائدہ رساں ہوسکتا ہے۔ اور جب حسینؑ اور ان کے نانا کا تتبع نہیں کرتے اور حسینؑ اور ان کے اوامر کی ہمارے دلوں میں کچھ وقعت نہیں تو ہم مُسلمان، مومن، اور محبّ حسینؑ کہلائے جانے کے کیونکر مستحق ہوسکتے ہیں۔ صرف حالت ومصائب سن کر رو دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ یہ تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی انسان کی مصیبت سن کر متاثر ہوجائے۔ اس لیے ایک غیر مُسلم بھی ہماری طرح رو دیتا ہے، حسینؑ پر ہی کیا موقوف ہے کسی کے مصائب کیوں نہ ہوں، یا ایک گھڑا ہوا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ محض رو دینا کافی نہیں ہے۔ جب تک حسینؑ کی شرافت اعمال اور غرض شہادت کے سمجھنے کے قابل نہ ہوں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں کے پیچھے آپ کا درجہ ہمدردی واثر کیا ہے۔ آپ کتنے عامل فرائض مستقل مزاج، کریم النفس، رحیم، ہمدرد، سخی، شجاع، اور پابند صوم وصلوٰت ہیں۔ مُصیبتوں کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ اور آپ میں غیرت کتنی ہے۔

(مجاھد اعظمؑ)

☆

تحریر: حجت الاسلام محمد حسینی بہارانچی

کسی بھی انسان کو ناحق قتل کرنا گناہانِ کبیرہ میں سرِ فہرست شمار ہوتا ہے۔ بعض روایات میں گناہانِ کبیرہ کی تعداد پانچ، بعض میں سات اور بعض میں پندرہ بیان کی گئی ہے۔ گناہانِ کبیرہ کی تعداد خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو قتل ان میں سرِ فہرست ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

"جو کوئی جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے گا، تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے اللہ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (سورۃ النساء: ۹۳)

② مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

"جو کسی ایسے شخص کو قتل کرے جس نے کوئی قتل نہ کیا ہو اور زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جو کوئی ایک جان کو زندگی بخشے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی"۔ (سورۃ مائدہ: ۳۲)

③ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ (سورۃ النساء: ۲۹ و ۳۰)

"اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو تعدی اور ایسا کرے گا، ہم اس کو عنقریب دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اور اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے"۔ (سورۃ نساء: ۲۹ و ۳۰)

④ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (اسراء: ۳۳)

"اور جس جان دار کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے، اسے ناجائز طور قتل نہ کرنا"۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

حمران بن اعین راوی ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔ حالانکہ قاتل نے تو ایک انسان کو قتل کیا ہے۔ وہ پوری انسانیت کا قاتل کیسے بن گیا؟ آپؑ نے فرمایا کہ قاتل کو دوزخ میں ایسی جگہ پر بٹھایا جائے گا کہ اگر اس نے سب انسانوں کو قتل کیا ہوتا تب بھی یہی عذاب ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر قاتل دوسرا قتل کرے تو پھر کیا ہوگا آپؑ نے فرمایا: عذاب دوگنا کر دیا جائے گا۔

(کافی ج ۷ ص ۲۷۱)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ خون کے متعلق فیصلہ کرے گا۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں کا فیصلہ

کیا جائے گا۔ پھر ترتیب وار خون کے فیصلے ہوں گے، یہاں تک کہ تمام خون کے مقدمات کے فیصلے کر دیے جائیں گے، اور حالت یہ ہوگی کہ ہر مقتول اپنے قاتل کا گریبان پکڑ کر لائے گا، اور کہے گا کہ پروردگار! اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ خدا فرمائے گا کہ کیا تو نے اس کو قتل کیا تھا؟ اسے انکار کی جرأت نہ ہوگی۔ (کافی ج ۷ ص ۲۷۱)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے: ہر مقتول خواہ وہ نیک ہو یا بد، قیامت کے دن اپنے قاتل کا گریبان پکڑ کر آئے گا، اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ وہ خدا سے عرض کرے گا: خدایا! میرے قاتل سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ اگر قاتل نے اسے حق کے ساتھ قتل کیا ہوگا تو قاتل کو جنّت میں بھیجا جائے گا، اور مقتول کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اگر قاتل نے کہا کہ میں نے فلاں ظالم کے کہنے پر اسے قتل کیا تھا تو اس وقت مقتول سے کہا جائے گا کہ تم قاتل سے قصاص لو۔ اس کے بعد خدا جو چاہے گا ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ (کافی ج ۷ ص ۲۷۲)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص لوگوں کے خون بہانے کے لیے آستین الٹائے ہوئے ہو، اس کے متعلق یہ نہ سمجھنا کہ وہ ناقابل تسخیر انسان ہے۔ اللہ نے اس کے لیے ایک قاتل مقرر کیا ہے، جو نہیں مرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ نا مرنے والا قاتل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ قاتل دوزخ ہے۔

(کافی ج ۷ ص ۲۷۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: مومن اپنے دین میں فراخی سے رہتا ہے، جب تک ناحق قتل نہ کرے۔ جو مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اسے توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ (کافی ج ۷ ص ۲۷۲)

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار نے فرمایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ بنی جہینہ میں ایک مقتول کی لاش پڑی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قبیلے کی مسجد میں گئے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اگر زمین و آسمان کے تمام رہنے والے ایک مُسلمان کے خون میں شریک ہوں یا اس کے قتل پر راضی ہوں تو خدا ان سب کو ان کے مُنھ کے بل دوزخ میں ڈال دے گا۔

(کافی ج ۷ ص ۲۷۳)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں ایک برتن ہوگا، جس میں خون ہوگا۔ وہ شخص کہے گا: پروردگار! میں نے تو کسی کو قتل نہیں کیا تھا، اور نہ ہی کسی کے قتل میں شریک ہوا تھا۔ نجانے یہ خون کیسا ہے؟ ندائے قدرت آئے گی کہ تو نے میرے فلاں بندے کا ذکر کیا تھا اور تیرے مُنھ سے نکلی ہوئی بات اتنی آگے بڑھی کہ ایک شخص قتل ہوگیا۔ اس کے خون کے کچھ قطرات تیرے حصّے میں بھی آئے ہیں۔

(کافی ج ۷ ص ۲۷۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تین قسم کے افراد جنّت میں نہیں جائیں گے: ① جس نے ناحق قتل کیا ہو ② شرابی ③ چغل خور۔ (کافی ج ۷ ص ۲۷۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں منیٰ میں خطبہ دیا اور فرمایا: لوگو! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سنو، اور اچھی طرح سے مری بات سمجھو۔ میرا خیال ہے کہ آئندہ سال میں تم سے ملاقات نہ کرسکوں گا۔

① پھر آپ نے فرمایا: کہ لوگو! دنوں میں سے زیادہ محترم دن کون سا ہے؟
لوگوں نے کہا کہ آج کا دن بڑا محترم ہے۔

② پھر آپ نے فرمایا کہ مہینوں میں سے زیادہ محترم مہینہ کون سا ہے؟
لوگوں نے کہا کہ یہ مہینہ زیادہ حرمت والا ہے۔

③ پھر آپ نے فرمایا کہ تمام شہروں میں سے زیادہ محترم شہر کون سا ہے؟
لوگوں نے کہا کہ یہ شہر سب شہروں سے زیادہ حرمت والا ہے۔

④ پھر آپ نے فرمایا کہ: تمھارے خون اور تمھارے اموال تم پر اتنے ہی حرام ہیں جتنا کہ یہ دن، یہ مہینہ، اور یہ شہر حرمت والا ہے۔ تم نے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔
لوگو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟
لوگوں نے کہا: جی ہاں!

⑤ آپ نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔ جس کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ اس تک پہنچا دے۔

⑥ یاد رکھو! کسی کی رضامندی کے بغیر اس کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔

⑦ اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا،

⑧ اور میرے بعد کافر نہ ہوجانا۔

(کافی ج ۷ ص ۲۷۳)

باب المتفرقات

بزرگوں کی یاد منانا اور اس کی غرض و غایت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

زندہ قوموں کا دستور ہے کہ وہ اپنے واجب الاحترام بزرگوں کی یاد منانے اور ان کے عظیم کارناموں کا تذکرہ کرکے نئی پود کے خون کو گرمانے اور ان میں جذبہ عمل پیدا کرنے کو اپنے لیے مایۂ سعادت مندی اور اس میں تقصیر و کوتاہی کرنے کو گناہ تصور کرتی ہیں۔ اسلام بھی اسی فطری تقاضے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ تعلیم دیتا ہے: "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" محسن کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ جس قدر واقعہ کی اہمیت اور صاحبِ واقعہ کی عظمت ہوتی ہے، اسی کے مطابق اس کی یادگار مہتم بالشان اور مؤثر ہوتی ہے۔

یادگاروں کے قائم کرنے کا خواہ وہ کسی قوم و ملت سے متعلق ہوں، مذہبی ضرورت سے قائم کی گئی ہوں یا قومی لحاظ سے، ایک ہی مقصد ہوتا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ تمام آنے والی نسلیں جب تک وہ یادگار قوم کے تغافل سے محفوظ اور اپنی قوتِ اثر کے لحاظ سے قائم رہ سکتی ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس یادگار کے ہیرو کا کریکٹر و کردار ان کے پیشِ نظر ہو جائے۔ وہ اس کی ارادی و عملی قوتوں پر غور کریں۔ اپنے جذبات کی تصحیح اور شعار کی اصلاح میں اس کے واقعات سے مدد لیں، تاکہ اگر کبھی زمانہ اور وقت اس کا مقتضی ہو تو دنیا کے سامنے ویسی ہی شاندار اور زرّیں مثال پیش کرسکیں۔

محرم کا حسینؑ ایسے ہی کریکٹر و کردار کا انسان تھا، جس کے واقعات کا مطالعہ اور جس کی یادگار کا مشاہدہ ہر قوم و ملت کے افراد کے لیے یکساں مفید اور سبق آموز ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کی حفاظت، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں ایسی شاندار قربانیاں دی ہیں اور نوع انسان کو فلسفۂ اخلاق کے وہ درس دیے ہیں کہ جن کی بدولت اقوام عالم میں انتہائی بلند و بالا مقام حاصل کرلیا ہے۔ آج وہ تنہا مدینہ و کربلا کا، شیعہ اور سنی مسلمانوں کا، ہندوؤں اور دوسری قوموں کا حسینؑ نہیں ہے، بلکہ ایک انگریز کے قول کے مطابق تمام دنیا کا حسینؑ ہے۔ گویا ایسا پُردرد واقعہ جس کی یاد ہر مومن کے لوحِ قلب پر کالنقش علی الحجر کندہ ہے۔ بظاہر کسی رسمی یادگار کا محتاج نہیں ہے، لیکن یہ ایک ناشکرگزاری ہوتی، اگر مسلمان اپنے محسن ہیرو کی جو اسلام کو نئے سرے سے زندہ کرنے والا اور اس کی بقاء ہستی کا باعث ہے اور جس کی عظیم الشان اور بے مثال قربانی پر اسلامی تاریخ جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے، کوئی یادگار قائم نہ کرے!

مُسلمانوں نے یادگار قائم کی اور ایسی کی کہ دوسری قومیں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتیں۔ (مجاہد اعظم)

مجالسِ عزا کی تاریخ

وہ مثالی یادگار ہے حسین علیہ السلام کی مجلس عزاء، جو اگرچہ سال بھر دنیا کے گوشے گوشے میں برپا رہتی ہے، مگر محرم کے عشرہ میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد اس شم کدۂ عالم میں پہلی مجلس عزا کب مُنعقد ہوئی؟

اس کا صحیح جواب دینا قدرے مُشکل ہے، ہاں مُختلف تاریخی آثار و اخبار سے اس قدر ضرور واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پہلی مجلس عزا اسیرانِ اہلِ بیتؑ کی رہائی کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور مخدراتِ عصمت و طہارت علیہم السلام نے یزید کے دار الحکومت شام میں مُنعقد کی۔

پھر دوسری مجلس واپسی پر مدینہ پہنچنے کے بعد ہوئی۔ جس میں تمام مردوں اور عورتوں نے شریک غم ہوکر امام عالی مقامؑ پر گریہ و بکا کیا۔ پھر اسی تسلسل کے ساتھ ائمہ اطہار علیہم السلام مخصوص طریقہ اور محدود پیمانہ پر مجالس عزا مُنعقد کرتے رہے۔ بالآخر دیلمی خاندان کے دور میں ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی اور آزادانہ طور پر مجالس عزا مُنعقد کی گئیں اور کُھلّم کُھلا طور پر مظلوم کربلا کا ماتم کیا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر مُختلف ادوار و اعصار میں جاری و ساری رہا۔ متحدہ ہندوستان میں مجالس عزا پر خاص توجہ کی گئی اور ان کو بامِ عروج تک پہنچایا گیا۔

مجالس و محافل کے فوائد و عوائد کا ایک شمہ

اربابِ عقل و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اگر ہماری یہ مجالس و محافل اور ماتمی جلوس صحیح طریقے و سلیقے سے انعقاد پذیر ہوں تو بے شمار فوائد و عوائد کے حامل ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ماضی کے بعض تاریک ترین دوروں اور نامساعد حالات سے گزرنے کے باوجود مذہب حق کی بقاء اور اس کی ترقی و اشاعت کا راز اسی عزاداریٔ سید الشہدا علیہ السلام میں پوشیدہ نظر آتا ہے۔ جیسا کہ فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر جوزف نے اپنی کتاب ''الاسلام والمسلمون'' میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اب ذیل میں ان مجالس و محافل کے بعض فوائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ مجالس دینی معلومات حاصل کرنے کا وہ مدرسہ ہیں جن میں تمام طبقات کے لوگ شرکت کر کے دینی معلومات از قسم اصول و فروع دین، اسلامی تاریخ، تمدّن و معاشرت، اخلاق اور سیرتِ معصومینؑ کے درس حاصل کرتے ہیں، جن سے اصلاح عقائد و اعمال میں خاصی مدد ملتی ہے۔

(۲) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ سے لوگوں کو اطاعت گزاری کا حکم اور غفلت شعاری سے ممانعت کر کے مقصد خلقت کی تکمیل میں مدد کی جاتی ہے۔

(۳) معصومین علیہم السلام کے فضائل اور صفاتِ جلیلہ اور مخالفین کے برے خصائل و صفاتِ رذیلہ کا تذکرہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے سامعین میں فطری طور پر

اپنے اندر صفاتِ جمیلہ پیدا کرنے اور صفاتِ رذیلہ سے اجتناب کرنے کا ملکۂ صالحہ پیدا ہوتا ہے۔

④ امام الشہداء علیہ السلام کے عظیم کارناموں کے تذکرہ سے سننے والوں کے اندر حق کی نصرت اور باطل کا مقابلہ کرنے کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

⑤ یہاں چونکہ دین حق کی حفاظت وصیانت کے لیے خود اختیاری طور پر ائمہ طاہرین علیہم السلام اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے جانگداز مصائب برداشت کرنے کے تذکرے ہوتے ہیں جن سے ان کے نام لیواؤں کے دل میں مذہب کی حقانیت راسخ ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ کبھی مذہب اہل بیتؑ ترک کرکے کسی اور مذہب کو اختیار نہیں کرتے۔

⑥ یہاں دین اسلام کے معارف وحقائق بیان ہوتے ہیں، جن سے مقصد شہادتِ حسینؑ کی تکمیل ہوتی ہے۔

⑦ یہاں چونکہ مظلومین کی مظلومیت اور ظالمین کے واقعاتِ ظلم و جور کو مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا جاتا ہے، اس لیے سامعین کے دلوں میں مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

⑧ یہاں دنیائے دُوں کی حقارت و بے ثباتی اور آخرت کی جلالت وہمیشگی کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے سامعین میں "زہد" و "تقویٰ" جیسی جلیل القدر صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

⑨ یہاں ائمہ طاہرین علیہم السلام پر حمایت حق کی وجہ سے وارد شدہ مصائب وشدائد اور ان کے صبرورضا کے تذکرے کیے جاتے ہیں، جس کے سبب سے ان کے نام لیواؤں کے اندر صبرورضا اور بالخصوص دین کے معاملہ میں وارد شدہ تکالیف برداشت کرنے کا خوابیدہ شوق بیدار ہوجاتا ہے۔

⑩ اس سے مجالس منعقد کرنے اور ان میں شرکت کرنے والوں کا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطیاب علیہم السلام کے ساتھ محبت اور قلبی لگاؤ کا عملی ثبوت مل جاتا ہے۔ کیونکہ محبوب کی خوشی سے خوش ہونا اور اس کے غم سے غمناک ہونا ایک فطری اور جبلی تقاضا ہے۔ اسی بنا پر امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ارشاد: "شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا یحزنون لحزننا و یفرحون لفرحنا" (بحارالانوار ج ۱۳ ص ۲۸۹ طبع قدیم) اور حضرت باقر العلوم علیہ السلام کا فرمان ہے: "شیعتنا من تابعنا فی افعالنا و لم یخالفنا و اذا امنا امن و اذا خفنا خاف" ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہمارے اعمال میں ہماری پیروی کرتا ہے اور جب ہم امن میں ہوں تو وہ امن میں ہوتا ہے اور جب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی خائف ہوتا ہے۔ (تفسیر برہان ج ۲ ص ۱۷۳ طبع تہران)

تلك عشرة كاملة

انہی حقائق کی بنا پر حضرات معصومین علیہم السلام ایسی مجالس و محافل کو محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے صحابی فضیل سے دریافت فرمایا: اے فضیل کیا تم باہم بیٹھ کر اور مجالس برپا

کر کے احادیث بیان کرتے ہو؟ فضیل نے عرض کیا: ہاں فرزند رسولؐ! فضیل کا یہ جواب سن کر امامؑ نے فرمایا: "تلک مجالس انا احبھا" ایسی مجالس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا: "رحم اللہ من احیی امرنا" خدا اس بندے پر رحم فرمائے جو ہماری شریعت کو زندہ کرتا ہے۔ (نفس المہموم)

دعوتِ غور و فکر

مجالس و محافل کے بے شمار فوائد میں سے اوپر صرف دس فائدے ذکر کیے گئے ہیں، جو قطرہ از دریا و دانہ از انبار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن آئیے موجودہ مجالس و محافل کا اجمالی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آیا ان کے انعقاد سے یہ فوائد حاصل بھی ہو رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ان میں صحیح عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے؟ کیا ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے؟ کیا کربلا والوں کے اتفاق و اتحاد کے تذکرے کرنے والوں کی اپنی صفوں میں اتحاد ہے؟ کیا مظلوم کی حمایت کے دعویداروں میں آج ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کا جذبہ موجود ہے؟ غرضیکہ آیا ہمارے اخلاق و اطوار سے ہمارا حسینی ہونا واضح و آشکار ہوتا ہے؟ اگر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو ان سوالات کے جوابات نہایت مایوس کن سامنے آتے ہیں۔

موجودہ روش و رفتار پر تنقید

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجالس بہت ہوتی ہیں، ان میں روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، ظاہری مظاہر غم کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، بالخصوص محرم کے ایام میں تو کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ آیا شہادتِ امام کی علت غائی اور اصلی مقصد یہی ہے کہ محرم کا چاند نظر آیا، ماتمی لباس پہنا، مجلس عزا منعقد کی، مرثیے اور نوحے پڑھے، لچھے دار تقریریں سنیں، آنسو بہائے، سر پیٹا، سینہ کوٹا، اور بس۔ اگر مقصد شہادت صرف اتنا ہی ہے اور ہم نے اس سے یہی سبق حاصل کیا ہے تو دُنیائے اسلام کے لیے یہ دوسری مصیبت ہے جو حادثہ عاشوراء سے کم نہیں ہے۔ اور یہ سراسر اس عدیم النظیر واقعہ کی توہین و تذلیل ہے۔

مجالس عزا بہترین عبادت اور ذریعہ بخشش ھیں

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس عظیم سانحہ کو زندہ رکھنے، جذباتِ غم و الم میں ہیجان پیدا کرنے اور حزن انگیز اسباب میں اضافہ کرنے کی خاطر ماتمی جلوسوں اور دیگر مظاہر غم کے افادی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اس حقیقت میں بھی کسی محبِ اہل بیتؑ کو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام الشہداءؑ یا دوسرے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے نام پر مجالس عزا یا محافل میلاد مُنعقد کرنا بہترین اسلامی عبادت اور بخشش گناہان کا ذریعہ و وسیلہ ہے، جیسا کہ کامل الزیارہ، ثواب الاعمال اور عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب مُعتبرہ میں نثر و نظم کے ذریعہ ذکر مصائب کرنے اور رونے و رلانے کی فضیلت میں بکثرت احادیث شریفہ موجود ہیں۔ (ہم نے ان کا ایک شمہ اپنے رسالہ اصلاح المجالس میں نقل بھی کیا ہے) لیکن بایں ہمہ اربابِ عقل و دانش پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ماتمی

جلوس ہوں یا مجالس عزا، یہ اصل مقصد کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مجالس کی موجودہ روش میں اصلاح کی ضرورت

اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہر سال لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود آیا وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے، اور ان مجالس سے مطلوبہ نتائج و آثار ان پر مترتب ہو رہے ہیں؟ آج ہر ہمدرد قوم وملت کے قلب حساس میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔ یہاں پھر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جواب میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ موجودہ طرز مجالس میں کچھ خامیاں وخرابیاں موجود ہیں، جن کی وجہ سے مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے۔ بنا بریں موجودہ طرز میں اصلاح کی ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے۔

① پہلے: ان مجالس کا طریقہ وہ ہونا چاہیے جو ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا تھا۔ مجالس عزا کو بزم مشاعرہ اور جلسہ موسیقی نہ بنایا جائے۔

② دوسرے: رسوم کو بھی ایسے سادہ اصول سے ادا کیا جائے جو ہر قسم کی لغویات، تصنع اور نمود ونمائش سے مبرا ہوں، نہ ایسے طریقے پر کہ مخالف مضحکہ اڑائیں۔

③ تیسرے: مراسم یادگاری اس طرح ادا کی جائیں کہ بدعات سیئہ وحرکاتِ نامشروع کی حد تک نہ پہنچیں۔ اور اس مصرع کی مصداق نہ بنیں کہ: ع

ماتم کریں حسینؑ کا لوٹیں حسن پورہ

(مجاہد اعظم)

ہم اس کا قائل نہیں کہ اگر کسی مسجد میں قوالی ہوتی ہو یا کسی بزرگ کی قبر پر عرس، تو مسجد گرادی جائے یا قبر اکھاڑ دی جائے، یا اگر باغ میں کچھ خس و خاشاک پڑ جائے تو باغ تباہ کر دیا جائے۔ بلکہ غلط رسم کا استیصال کرنا چاہیے۔ لہٰذا اگر ہماری موجودہ مجالس میں کچھ نقائص ہیں اور یقیناً ہیں، از قسم بد اعتقادی، بدعملی، بے اخلاصی، اور رسم پرستی وغیرہ، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ مجالس ہی بند کردی جائیں، بلکہ ان کی اصلاح ہونی چاہیے، تاکہ گلزار عزائے حسینیؑ سے یہ خس وخاشاک دور ہو جائے۔

علماء کی ذمہ داری

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اصلاح کون کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس اصلاح کی ذمہ داری کسی ایک فرد یا ایک گروہ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مجالس پڑھنے، سننے اور منعقد کرنے والے سب طبقات پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری اہلِ علم پر عائد ہوتی ہے جو کشتیٔ قوم کے ناخدا ہونے کے دعویدار ہیں۔ لہٰذا اگر یہ طبقہ بعض اغراض فاسدہ کا شکار ہوکر اپنی شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش نہیں کرے گا تو خدا اور رسولؐ کی لعنت میں گرفتار ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۵۹)

"اور جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور
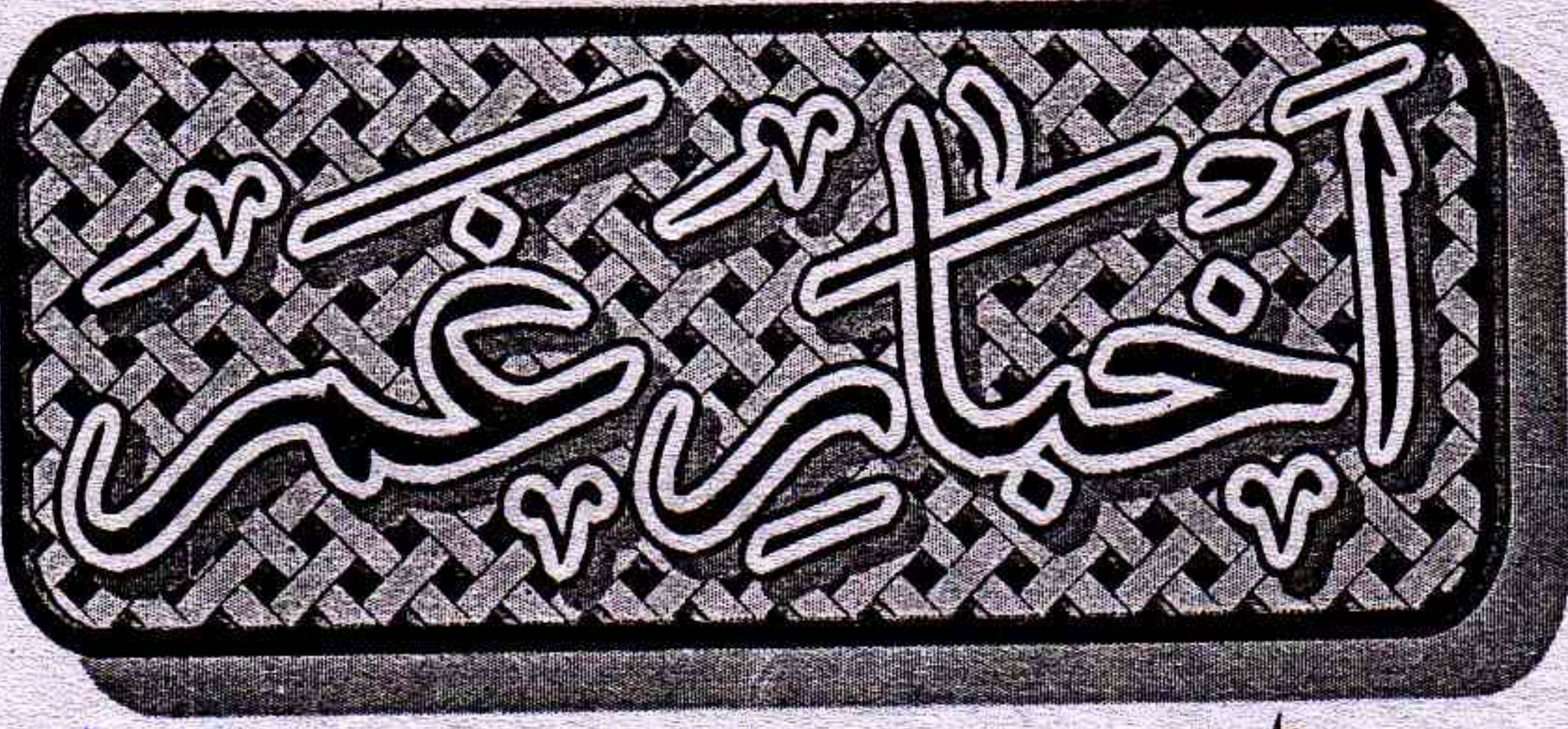
ہدایت ان پر نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً ان ہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں''۔ (ترجمہ مقبولؒ)

اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة الله

''جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم دین کو چاہیے کہ اپنے علم کا اظہار کریں، سو جس نے ایسا نہ کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی''۔

(اصول کافی صفحہ ۳۰، باب البدع والرای والمقائیس)

اس شرعی ذمہ داری کے ادا نہ کرنے کی اس تہدید و وعید کے پیشِ نظر ہم نے اصلاح احوال کا بیڑا اٹھا رکھا ہے، اگرچہ ہمیں اس کی بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑ رہی ہے، مگر ہم نے بعونہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ہر تکلیف برداشت کرنے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ لعنت خداوندی کے بالمقابل سب کچھ ہیچ ہے۔ ہم سے تو انسان ضعیف البیان کو خوش کرنے کی خاطر خالق دوجہاں کو ناراض کر کے اس کی لعنت کا طوق اپنی کمزور گردن میں نہیں ڈالا سکتا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم نہ تو مجالس عزا کے خلاف ہیں (معاذ اللہ) اور نہ واعظین و ذاکرین کی ذات سے ہمیں کسی قسم کی کوئی کد و کاوش ہے، بلکہ مقصد صرف اصلاحِ احوال کی کوشش کرنا ہے۔

☆ سیّد ناظم حسین آف اجنالہ کے والد سیّد موج دریا شاہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم پابند صوم و صلوٰۃ اور شریف النفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ سیّد طاہر عباس آف اجنالہ کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ تھیں اور عزاداری سیّد الشہداءؑ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ سیّدہ سلام اللہ علیہا میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

☆ مولانا عمران علی رانجھا صاحب خطیب جمعہ و جماعت مسجد بلاک نمبر ۷ سرگودھا کے چچا محمد علی رانجھا رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم نہایت دیندار اور علمائے حقہ کے حامی تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنّت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ غلام قادر کلہار آف کالا باغ جو کہ نہایت دیندار اور شریف النفس انسان تھے، رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

Registered No. (G) H.C/722